حالم
www.facebook.com/nemrah.ahmed.official
مِیراثِ پدرِمَن
(My Father's Inheritance - Mere Baap Ki Wirasat)
مظفر شاہ سلطان
قسط 4
نمرہ احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

حالم (نمرہ احمد)

قسط نمبر: 4

باب: ''میراثِ پدرِ من''

اس نے دیکھا.....

ایک نیم اندھیر کمرہ ہے جس کی چوکھٹ پہ وہ ننھی لڑکی کھڑی ہے.....کھلے لمبے بال اور پیروں تک آتا لباس.....

اندر ایک آدمی پشت کیے بیٹھا ہے.....اس کے آگے آگ جل رہی ہے اور وہ جھک کے سلاخ پہ کسی شے کو دہکا رہا ہے.....

چھوٹی لڑکی قدم قدم چلتی اس کے کندھے کے پیچھے آرکتی ہے.....

''بابا!'' اس کے پکارنے پہ وہ چونک کے گردن موڑتا ہے...جیسے برے خواب سے جاگا ہو...پھر جبراً مسکرا دیتا ہے۔

''تم سوئیں نہیں، تالیہ؟''

''یہ لوگ کون تھے جو ابھی یہاں سے گئے ہیں؟'' اس کی کم عمر باریک آواز گونجتی ہے تو وہ زیادہ چونکتا ہے، پھر اس کا ہاتھ تھام کے اسے ساتھ بٹھاتا ہے۔

''میرے دوست تھے...فوج کے ساتھی!'' اور سلاخ کو انگاروں پہ پلٹتا ہے۔ اس کے سرے پہ سونے کے سکے جیسا کچھ ہے۔

بچی ہتھیلیوں پہ چہرہ گرا کے سوچ میں ڈوبی کہتی ہے....''مگر وہ سپاہی تو نہیں لگتے تھے۔ میں نے خود سنا تھا، وہ بار بار پمبورو کہہ رہے تھے۔''

''یا اللہ تالیہ....'' مراد کے ہاتھ میں پکڑی سلاخ لرزتی ہے....گھبرا کے ادھر ادھر دیکھتا ہے.....

''یہ پمبورو (شکار باز) کون ہوتے ہیں، بابا؟''

''ششش......'' اس نے بوکھلا کے اسے چپ کرایا۔ ''تم یہ لفظ اب نہیں بولو گی۔ اگر شہر میں کسی نے سن لیا تو ہم سب مار دیے جائیں گے۔''

''مگر بابا....وہ کسی خزانے کی بات کر رہے تھے؟'' پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ ''مجھے بتاؤ بابا....کیا کوئی خزانہ ہے بابا؟''

آدمی گہری سانس لیتا ہے اور سلاخ آگ سے اوپر اٹھا کے دکھاتا ہے....اس کے سرے پہ گول سکہ اور ڈلی جڑی ہے۔ سنہری چابی۔

''جب یہ چابی [illegible] گی تو ہم [illegible] لیں گے [illegible] گی۔''

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

بچی کی آنکھیں دہکتی چابی پہ جم سی جاتی ہیں۔لب کھل جاتے ہیں۔تحیر سے' ستائش سے....

''یہ چابی کس کی ہے؟''

''انسانوں کے سب سے بڑے خزانے کی....میں اس کو اپنے لوگوں کی مدد کے لیے تیار کر رہا ہوں....چاند کی اکیسویں پہ یہ تیار ہو جائے گی...پھر یہ ہمیں خود خزانے تک لے جائے گی۔''

''وہ کیسے؟'' وہ دلچسپی سے پوچھتی ہے۔

''جو اس چابی کو پہلی دفعہ پہنتا ہے' وہ اس کو راستہ خود دکھاتی ہے' اس کو اس جگہ خود لے جاتی ہے جہاں خزانے کا قفل ہے۔ہمارے گاؤں کے لوگوں کے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔سب امیر ہو جائیں گے۔'' وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے۔

''اسے سب سے پہلے کون پہنے گا؟'' اس کی نظر دہکتی چابی پہ ٹکی ہے جس کو وہ دوبارہ آگ میں ڈال رہا ہے.....

''میں...صرف میں...تم اس کے قریب بھی نہیں آؤ گی....اب جا کر سو جاؤ...'' وہ آخر میں درشتی سے کہتا ہے مگر اس کی نظریں ابھی تک چابی پہ ٹکی ہیں جس پہ چند ہندسے بار بار ابھر کے مٹ رہے ہیں...جیسے وہ بہت سے الفاظ اپنے اندر بھینچتی جا رہی ہو.....

وہ عجیب سے ہندسے تھے.....

☆☆=========☆☆

تالیہ واپس لاؤنج میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ وہ نہ تھا جس کے ساتھ وہ گھنٹی بجنے پہ اٹھ کے باہر گئی تھی۔وہ برف کی مانند سفید پڑ رہی تھی۔ٹھنڈی۔بے جان۔

داتن اسی اثناء میں دوریان (پھل) اٹھا لائی تھی اور سینٹر میز پہ رکھ کے اب انہیں کاٹ رہی تھی۔دروازہ کھلا تو منہ میں پھل بھرے' اس نے کچھ کہتے ہوئے سر اٹھایا تو تالیہ کو دیکھ کے ٹھٹکی۔وہ سفید بے جان کپڑے کی گڑیا کی طرح گویا پانی پہ قدم رکھتی آ رہی تھی۔گم صم۔شل۔

''کون تھا؟'' داتن نے پلیٹ پرے ہٹائی۔ماتھا ٹھنکا۔

''سمیع۔''

''کون؟ وہ بجلی کے محکمے میں جو ہمیں....'' وہ یاد کرنے ہی لگی تھی کہ تالیہ بات کاٹ کے بولی۔

''میرا شوہر....میرا ایکس!'' داتن کا منہ کھل گیا۔آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر شاک ابھرا۔

''وہ....وہ سمیع؟''

تالیہ بے دم سی صوفے پہ گر گئی۔آنکھیں کہیں دور خلاء میں ٹکی تھیں۔

''کیا کہا اس نے؟'' داتن پریشانی سے اٹھ کے اس کے پاس آئی۔''اس نے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کی تمہیں؟ تم نے مجھے کیوں نہیں بلایا؟''

3

''وہ مجھے ڈرانے آیا تھا..... شاید وہ اشعر کو جانتا ہے۔ دھمکا رہا تھا کہ اشعر کو بتا دے گا کہ میں فراڈ ہوں۔''

''اس کو کیسے معلوم کہ ہم اسکامرز ہیں؟'' داتن چونکی۔

''مگر یہ تو معلوم ہے کہ میں کسی فوت شدہ امیر خاندانی آدمی کی heiress نہیں ہوں۔ اگر اس نے بتا دیا کہ میں لاہور سے شادی ہو کر آئی تھی تو سوال اٹھیں گے کہ میں نے یہ دولت کیسے بنائی۔ وہ میرا کور blow کر دے گا۔ سب ختم ہو جائے گا۔'' اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ وہ شدید ذہنی دباؤ اور خوف کے زیرِ اثر تھی۔

''مگر اس کو اشعر وغیرہ کا کیسے علم ہوا؟''

''مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ اس کو میرے گھر کا معلوم ہو گیا ہے اور اب وہ پیسے مانگ رہا ہے۔ اوہ داتن ....وہ سب کچھ ختم کر دے گا!'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔

''تم تو بہت بہادر ہو تالیہ۔ ایسے گھبراؤ تو نہیں۔ تم تو بڑے بڑوں کو انگلیوں پہ گھما دیتی ہو میری بچی۔''

تالیہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''سمیع وہ پہلا آدمی تھا جس نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔ میں کبھی بھی اس کے خوف سے باہر نہیں نکل پائی۔'' داتن نے دلاسا دینے والے انداز میں اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔ وہ بے بسی سے روتے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔ ''میں تو سب کچھ چھوڑنے والی تھی ... بس آخری واردات ... بس آخری چوری کرنی تھی ......اور اب سمیع سب خراب کر دے گا... یا اللہ ....اگر اس نے وان فاتح کو بتا دیا کہ میں فراڈ ہوں تو وہ مجھے بھی ایسے دیکھیں گے جیسے وزیرِاعظم کو دیکھتے ہیں۔ میں ان کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتی۔'' اس کا سر پھٹنے کو تھا۔

''کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو گا۔ تم تالیہ ہو۔ تمہارے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ میری بات سنو۔'' داتن نے اسے شانوں سے تھام کے جھنجھوڑا۔ ''تم وہی کرو گی جو میں کہوں گی۔ تم زخمی ہرن کی پینٹنگ کے معاملے اور اس سکے کو ڈھونڈنے پہ فوکس کرو۔ سمیع کو مجھ پہ چھوڑ دو۔ میں اس کا منہ بند کرنے کا طریقہ ڈھونڈ لوں گی۔'' تالیہ نے گہری سانس لی اور ہتھیلیوں کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اب وہ ابتدائی شاک سے نکل آئی تھی اور اس کا ذہن کام کرنے لگا تھا۔ اب کے وہ بولی تو آواز گیلی مگر سنبھلی ہوئی تھی۔

''کچھ کرو' داتن۔ ایک دفعہ وہ چابی مل جائے تو میں وان فاتح کی زندگی سے دور چلی جاؤں گی۔ بس تب تک سمیع کا منہ بند رکھنے کی کوشش کرو۔''

''ایسا ہی ہو گا۔ اور ہاں.... بریسلیٹ مل گیا نا؟'' داتن کو خیال آیا تو پوچھا۔ تالیہ پھیکا سا مسکرائی۔

''ہاں۔ جیسے ہم ویٹرز بن کے پارٹیز میں عورتوں کے بچوں کو رلا کر ان کا زیور چھپاتے تھے بالکل اسی طرح۔ کرائے بے بی اسکام۔ مجھے بس اب وہ سکہ ڈھونڈنا ہے۔''

''اور مجھے سمیع کا حل۔'' داتن اٹھی اور اپنی چیزیں اٹھا کے پرس میں ڈالنے لگی۔ کشن کے پیچھے سے ایک پرانی چھوٹی کتاب اٹھائی۔ (ہم

4

شکار باز)۔تالیہ اب بے چینی اور پریشانی سے بڑبڑا رہی تھی۔

''کہاں ہوسکتا ہے وہ سکہ؟ نہ اس کو نیلامی پہ رکھ رہی ہیں عصرہ' نہ وہ فاتح کے سیف میں تھا۔یقیناً عصرہ کے لاکر میں ہوگا یا گھر میں کسی دوسری جگہ۔'' داتن نے کتاب بیگ میں ڈال کر دوسری چیزوں تلے چھپا دی اور اسے پکارا۔

''سمیع پہ مجھے ابھی سے کام شروع کرنا ہوگا۔میں چلتی ہوں۔''

تالیہ پھیکا سا مسکرائی اور اس کی پھلوں والی پلیٹ کو دیکھا۔''تم دوریان کھا بھی نہیں سکیں میری وجہ سے۔''

''تالیہ!'' داتن نے مسکرا کے اسے دیکھا۔''میری پیاری بچی...میری ہرنی...میری بلی...تمہارے لئے میں ہر شے قربان کرسکتی ہوں...مگر...'' چہرے پہ غصہ طاری کیا۔''...تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں دوریان قربان کروں گی۔ہونہہ۔'' موٹی عورت نے یہ کہہ کے دوریان کی پلیٹ اٹھائی' ایک قاش منہ میں رکھی اور دھپ دھپ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔تالیہ کے ابرو اکتاہٹ سے اکٹھے ہوئے۔

''میری پلیٹ واپس نہ لائیں تم تو دیکھنا۔'' پیچھے سے پکارا مگر داتن ناک سے مکھی اڑاتی باہر نکل چکی تھی۔

داتن کے جاتے ہی گھر ایک دم خاموش اور سنسان ہوگیا تھا۔اونچا محل اور اندر مقید وہ تنہا شہزادی.....

خیال سا آیا تو چونکی اور پرس کھولا۔اندر بریسلیٹ رکھا تھا۔اس نے احتیاط سے اسے نکالا۔دل دھڑکا۔مگر وہ ٹھنڈا رہا۔تالیہ نے اسے ہاتھ میں نہیں پہنا بلکہ گردن تک لے گئی۔زنجیر لمبی تھی' عصرہ اس کے کنڈے کو پہلی کڑی میں ٹائٹ کرکے ڈالتی تھی تو وہ کلائی پہ فٹ بیٹھتا تھا۔تالیہ نے اسے گردن سے لگایا اور آخری کڑی میں کنڈا ڈالا.....وہ اس کی گردن پہ فٹ آ گیا...کسی پھندے کی طرح.....

ایک دم اردگرد روشنی ہوتی گئی...تیز روشنی......

تب اس نے وہ منظر دیکھا...چابی کو دہکاتا اس کا باپ اور اس سے سوال پوچھتی ننھی تالیہ...شکار باز...فوجی دوست...گاؤں کے لوگ...خزانہ...ساری باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

اس نے زنجیر نوچ کے گردن سے اتاری۔روشنی غائب ہوگئی۔

حواسوں میں واپس آنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔سنہری زنجیر صوفے سے نیچے جا گری تھی.....اس نے جھک کے اسے اٹھایا۔وہ بے نور رہی۔مگر تالیہ کی آنکھوں میں تحیر' خوف اور جستجو مل جل کے ابھرنے لگی تھی۔

''شکار باز...؟ مگر کس چیز کے شکاری؟'' وہ آنکھیں چھوٹی کرکے لاکٹ کو دیکھتی بڑبڑائی تھی۔

''تو یہ تھے میرے بابا...پہلی دفعہ دیکھا ان کو....'' وہ خواب کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔''بابا فوج میں تھے.....اور ان کے دوست بھی....شکار باز۔کوئی ایسی تنظیم جس پہ پابندی ہوگی...اور یہ لوگ خزانہ تلاش کر رہے تھے...اپنے گاؤں کے غریبوں کی مدد کرنے کے لئے...'' وہ دور خلا میں دیکھتی کڑیاں ملا رہی تھی۔

''اور وہ چابی...وہ شاید انہوں نے مجھے پہنا دی ہو۔میں اسے پہن کے دور کسی چرچ میں نکل گئی ہوں گی اور کھو گئی ہوں گی۔چابی

اترتے ہی میری یادداشت چلی گئی ہو گی اور میں کسی کو بتا نہیں سکی ہوں گی کہ میں کہاں سے آئی ہوں۔ مگر پھر مجھے میرے باپا نے ڈھونڈا کیوں نہیں؟'' اس کا ذہن الجھ الجھ رہا تھا۔ ''شاید پیچھے سے لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو کہ وہ شکار باز ہیں اور وہ کسی مشکل میں پھنس گئے ہوں۔ شاید وہ جان سے چلے گئے ہوں۔'' دل کانپا۔ ''شاید میرے پیچھے کوئی اس لئے نہ آیا ہو کیونکہ کوئی زندہ ہی نہ رہا ہو۔ پورا گاؤں تباہ ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ یہی کہانی ہے میری۔ اور میری ساری یادداشتیں اسی سونے کی ڈلی میں محفوظ ہیں۔''

اب وہ احتیاط سے لاکٹ کو ٹشو میں لپیٹ رہی تھی۔ عصرہ کے بریسلیٹ کو اس نے لاکٹ بنا لیا تھا۔ اپنی داستان اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔

مگر کیا اس کی داستان اتنی سادہ تھی؟ ایسا کیا تھا جو اس کے باپا میں بہت عجیب سا تھا.... جو اس کمرے اور اس ننھی بچی میں بھی تھا.... کچھ بہت انوکھا اور منفرد.... جس کو سمجھنے کے لئے اس کی عقل چھوٹی پڑ رہی تھی.... کچھ غلط تھا......

☆☆==========☆☆

داتن کا اپارٹمنٹ چھوٹا مگر آرام دہ لگتا تھا۔ دروازے کے باہر سرسبز گملے رکھے تھے۔ وہ لفٹ سے اتری اور بھاری بھرکم جثّے کے ساتھ چلتی اپنے دروازے تک آئی ہی تھی کہ......

''ماں!'' پیچھے سے اس کے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ چابی لاک میں گھساتی داتن رکی اور حیرت سے مڑ کے دیکھا۔ ٹوپیس پہنے ایک نوجوان چلا آ رہا تھا۔ سیاہ رنگت اور نقوش داتن جیسے ہی تھے اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ داتن کے سارے وجود میں خوشی پھیل گئی۔

''عدنان' تم آج کیسے؟ آج تو ویک اینڈ نہیں ہے۔'' وہ دونوں جب اندر آ گئے تو داتن اپنا سامان میز پہ رکھتے ہوئے خوشگوار حیرت سے پوچھنے لگی۔ عدنان اب صوفے کے کنارے پہ آگے کو ہوئے ٹک گیا تھا' اور ایک گھٹنا بے چینی سے ہلا بھی رہا تھا۔ سوال پہ ننھی داڑھی کھجاتے ہوئے کندھے اچکائے۔ ''آپ آرام سے آ کر بیٹھیں تو میں بتاتا ہوں۔''

''میں قہوہ لے آؤں۔'' وہ رسان سے کہتی کچن کی طرف آئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی اور ٹرے سامنے رکھا۔ اس میں قہوے کے ساتھ بسکٹ سے بھرا ایک جار بھی تھا۔

''میں نے یہ گندم والے بسکٹ بنائے تھے۔ تم دونوں کو پسند ہیں۔ واپسی پہ لیتے جانا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے قہوہ پیش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟''

داتن نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''جاب؟''

''لائبریری کے علاوہ کسی امیر عورت کے ہاں ہاؤس کیپنگ کرتی ہیں نا آپ۔''

''ہاں.... ساشا میڈم کے ہاں۔'' داتن نے گہری سانس لی۔ ''اچھی جا رہی ہے' تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

6

''کیا وہ آپ کو قرضہ دے سکتی ہیں؟ اصل میں....'' اس نے کپ اٹھا کے گھونٹ بھرا۔ بسکٹ کو چھوا بھی نہیں۔ ''مجھے نیا کاروبار شروع کرنا ہے' بھاری رقم چاہیے۔ میں سود سمیت واپس کر دوں گا۔ واپسی کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔''

داتن کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ پیالی میں چائے انڈیلتے ہاتھ رک گئے۔ نظریں کپ پہ جھکی رہیں۔

''کتنی رقم چاہیے؟'' آہستہ سے تھرماس واپس رکھی اور نظریں جھکائے چائے میں چینی ڈالنے لگی۔ عدنان نے جھٹ رقم بتائی۔

''یہ تو کافی زیادہ ہے مگر میں میڈم سے مانگ لوں گی۔ کب تک چاہیے؟'' پلکیں نیچی کیے وہ چمچ ہلا رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے بسکٹوں کا جار اٹھا کے قدموں کے پاس رکھ دیا۔

''اگر دو تین دن میں مل جائے تو میں کچھ سامان خرید لوں گا۔ کام جلد شروع ہو سکے گا۔''

''میں تمہارے اکاؤنٹ میں بھیج دوں گی۔ تمہیں مجھے ریمائنڈ بھی نہیں کروانا پڑے گا۔''

''اوکے تھینک یو ماں۔'' اس کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمکنے لگا تھا۔ پھر کلائی کی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے کہیں ضروری پہنچنا ہے۔ چلتا ہوں۔'' پھر رک کے داتن کے پیروں کے ساتھ رکھے بسکٹوں کے جار کو دیکھا۔ ''کیا یہ میرے بچوں کے لئے بنائے ہیں آپ نے؟'' جیسے یاد نہ آ رہا ہو کہ ابھی ماں نے بسکٹوں سے متعلق کیا کہا تھا۔

لیانہ صابری نے پیر سے جار کو صوفے کے نیچے ذرا سا دھکیلا۔ ''نہیں۔ یہ شوگر فری ہیں۔ ساشا کے لئے بنائے تھے۔ وہ ہر وقت ڈائٹ اور ایکسرسائز کے چکر میں زیادہ کھاتی پیتی نہیں ہے نا۔ تم جاؤ' میں پیسے بھیج دوں گی۔'' نظریں اٹھا کے ویرانی سے اسے دیکھا تو وہ مسکرایا اور سلام جھاڑتا باہر نکل گیا۔

چھوٹا سا فلیٹ بالکل خاموش رہ گیا۔ سوگوار۔ تنہا۔ ویران۔

داتن کی چائے اسی طرح رکھی تھی اور وہ بے دلی سے اس کے شفاف مائع کو دیکھے جا رہی تھی۔ ذہن کا پردہ بھی چائے کی طرح ہو رہا تھا۔ سیاہ تاریک مگر شفاف.....اور اس پہ ابھرتے مناظر.....

ساتھ سال قبل کی وہ گرم صبح جب سارا کوالالمپور پسینے سے پگھل رہا تھا۔ ایسے میں ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر معمول کا رش اور شور تھا۔ آوازیں' اعلانات' الوداعی ملاقاتیں اور آنے والوں کو خوش آمدید کہنا۔ مگر لیانہ صابری کو اس وقت کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ سیاہ فام بھاری بھر کم عورت جس کے گھنگریالے بال جوڑے میں بندھے تھے' سر جھکائے باتھ رومز کے آگے بنے فرش پہ وائپر سے موپ لگا رہی تھی۔

(سمجھا کریں ماں' ہم مزید ساتھ نہیں رہ سکتے' میری بیوی کو ڈاکٹرز نے ریسٹ کا کہا ہے' آپ کے ساتھ رہے گی تو روز جھگڑا ہو گا' اور اس کی صحت پہ برا اثر پڑے گا۔ وہ یعقوب بھی تو ہے آپ کا بیٹا' آپ اس کے ساتھ بھی رہ سکتی ہیں۔)

سر جھکائے وائپر لگاتی لیانہ کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اور فرش پہ جا گرا۔ اگلے ہی لمحے پوچے کے دھاگوں نے اسے وائپ کر کے فرش کو

صاف کر دیا۔ پہلے عدنان اوراب یعقوب کی آواز سنائی دینے لگی۔

(میرے ساتھ؟ نہیں ماں۔ یہ ممکن نہیں۔ عدنان اور اس کی بیوی تو باپا کے بنائے گھر میں رہ رہے ہیں' وہ وہاں سے آپ کو کیسے نکال سکتے ہیں۔ میرا فلیٹ تو پہلے ہی بہت چھوٹا ہے اور تنخواہ کم ہے۔ مگر میرے دوست کی والدہ اولڈ ہوم میں رہتی ہیں' تمام سہولیات میسر ہیں' خوراک' رہائش' آرام۔ اور پھر اپنی عمر کے لوگوں کا ساتھ بھی ہوگا۔ ان کے اتنے دوست بن چکے ہیں وہاں اور.....)

آنسو ٹپ ٹپ فرش پہ گر رہے تھے۔ پھر اس نے آنکھیں زور سے رگڑیں اور بے رحمانہ انداز میں پوچا دائیں سے بائیں لگایا۔ بکٹ اٹھائے وہ ٹوائلٹس کی طرف آئی اور آخری ٹوائلٹ کا دروازہ سختی سے دھڑ دھڑایا۔ ''کون ہے اندر؟ نکل بھی آیئے۔ میں نے صفائی کرنی ہے۔''

(جیولری اسٹور کے مالک نے تمہیں نوکری سے نکال دیا ہے لیانہ۔ اس کو جوان اور خوبصورت لڑکی مل گئی ہے۔ تمہاری دوست کی حیثیت سے سمجھا رہی ہوں' اب کسی اسٹور میں تمہیں ملازمت نہیں ملے گی۔ کیونکہ.....) اب کانوں میں ایک دوست کی آواز گونجنے لگی تھی۔

باتھ روم سے جو لڑکی باہر نکلی وہ' وہ تالیہ نہیں تھی جس کے ساتھ اب داتن کام کرتی تھی۔ وہ ایک ڈری' سہمی' قدرے الجھی ہوئی لڑکی تھی جس کی آنکھیں رونے کے باعث سرخ نظر آ رہی تھیں۔ کڑھائی والی شلوار قمیض' کندھوں پہ دوپٹہ اور ہاتھوں پہ مٹی مٹی سی مہندی۔ اس کے پاس ایک ایسا بیگ تھا جس سے وہ خود بھی ناواقف تھی۔ لیانہ کو وہ بیگ اور اس کے حالات دیکھ کے سارا معاملہ بھانپنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ ائیرپورٹ پہ اکثر ایسا ہوتا تھا۔ یا لڑکیاں مجبور ہوتیں' یا ناواقف۔ مگر یہ لڑکی بہرحال یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ اس کا شوہر یہ سب کر سکتا ہے۔

لیانہ نے اسے چھپ چھپاتے ائیرپورٹ سے نکلوا دیا اور اپنی دوست کے گھر لے آئی جہاں وہ خود بطور پے انگ گیسٹ کے رہ رہی تھی۔ تالیہ سمجھدار تھی' ذہین بھی۔ بات جلدی سمجھ جاتی اور تیزی سے وہ کام کر ڈالتی۔ دوست کے سامنے لیانہ کی رشتے دار کی اداکاری بھی اچھی کر لی لیکن وہ اب بھی پریشان اور سوگوار تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اسکائپ پہ اپنے شوہر سمیع سے رابطہ کیا تو اس کا انداز اور باتیں.... ہر شے اس کا رہا سہا شک رفع کرنے کے لیے کافی تھی۔

اب لیانہ کو لگا کہ تالیہ بالآخر مان گئی ہے کہ اس کے شوہر نے اسے صرف استعمال کیا اور آگے بھی کرنا تھا کیونکہ نوجوان گھریلو لڑکیوں کے بیگز ائیرپورٹ پہ کم ہی کھولے جاتے ہیں۔ لیکن مان جانے کے بعد وہ بالکل چپ ہوگئی۔ سمیع کو معلوم نہ تھا وہ کدھر ہے۔ وہ لیانہ کی دوست کے اس کمرے میں بالکل مقید ہو کے رہ گئی۔ خاموش۔ صدمے میں۔

پھر چند دن بعد اس نے خود کو سنبھالنا شروع کیا۔ اس سے لیانہ کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن وہ لڑکی اسے اچھی لگی تھی۔ بے حد ذہین اور قابل لیکن بے بس اور دکھی۔ خود کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے اس نے جوڑا اور سمیع سے رابطہ کیا۔ شرط یہی طے پائی کہ وہ اسے طلاق دے گا تو وہ بیگ واپس کرے گی۔ سمیع کاغذات کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا اور چونکہ اس کے اسکائپ کے نکاح کا بھی کوئی ثبوت نہ تھا' (وہ ملائیشیا اپنے ملے پسِ منظر کے باعث آئی تھی۔ سپاؤز ویزا پہ نہیں۔) اور تالیہ اس سے جان چھڑانا چاہتی تھی' اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اس کو فون پہ طلاق

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

دے ڈالے۔ وہ ایک نئے ملک میں تنہا لڑکی تھی جس کو پیچھے بھی سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ سمیع سے کوئی بعید نہیں معاملہ کتنا لٹکائے اور کاغذات کے لیے اس کو سمیع سے ملنا پڑتا اور لیانہ کو ہمیشہ لگا کہ وہ سمیع کا نام سن کے بھی خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

اس نے تالیہ کو کسی ایسی چیز سے ڈرتے نہیں دیکھا جو عموماً اس کی عمر کی لڑکیوں کو خوفزدہ کیے رکھتی ہیں۔ طوفان' سانپ' بچھو۔ کبھی واک کرتے ہوئے کوئی موذی کیڑا نظر آجاتا تو وہ اس کو جوتے تلے مسل کے آگے بڑھ جاتی۔ لیانہ کو اچھا نہ لگتا۔ ملے لوگ سانپوں کو بھی نہیں مارتے کہ ان کا دل دکھتا ہے۔ مگر وہ لڑکی مار ڈالتی تھی۔ ایک سمیع کے خوف سے وہ کبھی نہیں نکلی۔ طلاق دے دی' بیگ واپس ہو گیا' تعلق ختم مگر اس کے ذکر پہ وہ چونک چونک جاتی تھی۔ وہ واحد آدمی تھا جس نے تالیہ کو اس کام کیا تھا ایسے کہ اس کا ذہن مفلوج ہو گیا تھا۔

لیانہ نے اسے ایک ریستوران میں نوکری دلوا دی۔ ویٹرس کی نوکری۔ لیانہ خود لائبریری میں کام کرتی تھی۔ دونوں اس کی دوست کے کمرے میں ہی رہتی تھیں۔ بالآخر وہ زندگی کی طرف واپس آنے لگی تھی۔ ویٹرس بن کے محنت مشقت کر کے پیسے جوڑنا.....لیانہ کو یہ تالیہ کے مسائل کا بہترین حل لگتا تھا۔ مگر پھر ایک دن.....

ریستوران میں اس روز معمول کی گہما گہمی تھی۔ تالیہ ٹرے پہ چپس' برگر اور کوک کے گلاس رکھے سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ یونیفارم پہنے' پونی کے اوپر پی کیپ جمائے' وہ سادہ اور سپاٹ سی ویٹرس لگ رہی تھی۔ ایک میز پہ تین مرد بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ تالیہ ان کے پاس رکی اور باری باری ٹرے سے اشیاء نکال کے سرو کرنے لگی۔ ایک رک کے یونہی اسے دیکھنے لگا۔ جیسے ہی وہ مڑی اور آگے بڑھی 'اسے لگا کسی نے اسے چھوا ہے۔

وہ بدک کے پیچھے ہٹی اور غصے سے اس کو دیکھا۔ وہ آدمی مسکرا کے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تفریح چاہیے تو گلی کے پار جاؤ...وہاں چند رنگٹ کے عوض تفریح مل جاتی ہے۔ یہاں آ کر تمیز سے کھانا کھایا کرو۔'' غصے سے غرا کے آگے بڑھ گئی مگر ان پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ تینوں مسکراتے رہے۔ چند قدم دور گئی تھی کہ ایک کی آواز سنائی دی۔ اس نے کوئی نازیبا بات کہی تھی۔ تالیہ کی رنگت سرخ ہوئی۔ اس کا ہاتھ قریبی میز کی طرف رینگا جہاں ایک چھری رکھی تھی۔ اس نے سرعت سے چھری اٹھائی اور گھما کر ایک دم ان کی طرف دے ماری۔ چھری گول چکر کی صورت گھومتی...فضا میں اڑتی ہوئی...سیدھی ان کی میز کے ساتھ دیوار کے وسط میں پیوست ہو گئی...جیسے کسی ماہر نشانہ باز نے نشانہ باندھا ہو....

دو گھنٹے بعد وہ لیانہ کے ساتھ اس کی لائبریری کے باہر ایک کیفے میں بیٹھی تھی اور فنگر چپس کھاتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

''اور پھر بہت شور واویلا ہوا۔ آخر میں میری یہ نوکری بھی چلی گئی۔ بہت سی گالیوں اور لعن طعن کے ساتھ ریستوران کی مالکن نے مجھے کسی شکاری کی اولاد کا طعنہ بھی دے دیا۔'' وہ کہہ کے ہنس دی جیسے خود بھی انجوائے کر رہی ہو یا شاید وہ زیادہ مضبوط ہو گئی تھی۔

''مگر تم نے اتنا اچھا نشانہ باندھنا کس سے سیکھا۔'' لیانہ حیران تھی۔

''پتہ نہیں۔ میں بچپن سے اچھے نشانے لگا لیتی ہوں۔ شاید مجھے یہ کام آتے ہیں۔'' اس نے بے پرواہی سے شانے اچکا دیے اور

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

کھاتی رہی۔

''مگر ایسی کیا بات ہوئی جو تم اتنی خوش ہو؟'' لیانہ نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا تو تالیہ نے چمکتی ہوئی آنکھیں اٹھائی۔ادھر ادھر دیکھا۔احتیاط سے آگے ہوئی اور پر جوش سرگوشی میں بولی۔

''کیونکہ جس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی'میں نے جاتے جاتے اس کا بٹوہ بھی نکال لیا۔اور اس میں اتنے ڈھیر سارے پیسے ہیں۔''ہاتھ میز پہ رکھا تو اس میں ایک نوٹوں سے بھرا بٹوہ بھی تھا۔

''تم کسی شکاری کے ساتھ ساتھ کسی چور کی اولاد بھی لگتی ہو'تالیہ۔'' وہ خفگی سے بولی تھی۔

''ہر وقت شکار بننے سے شکاری بننا بہتر ہے موٹی عورت۔''

''مجھے موٹی عورت مت کہا کرو۔''

''تو کیا داتن پدوکا کہوں؟''وہ ہنسی۔(داتن پدوکا بوڑھی دادی قسم کی خواتین کے لئے دیا جانے والا سرکاری اعزاز ہوتا ہے۔)

''تو کیا میں کسی داتن پدوکا سے کم ہوں؟''وہ گردن کڑا کے بولی تو تالیہ کے لب حیرت سے کھل گئے۔''تمہارا خواب یہی ہے کیا؟ کہ ایک دن سرکار تمہیں داتن پدوکا کا ٹائٹل دے؟''

''اگر ہے بھی تو کیا۔اتنے سال جیولری اسٹور اور اس لائبریری کی خدمت کی ہے میں نے۔حق بنتا ہے میرا۔''وہ نتھنے پھلائے برامان کے بولی تو تالیہ نے بے اختیار مسکراہٹ دبالی۔

''او کے۔جب میں بہت امیر ہو جاؤں گی'میرا جزیرے پہ وہ اونچا محل بن جائے گا تو میں تمہیں یہ اعزاز دلوا دوں گی۔''

''یہ اعزاز امیر لوگ نہیں دلوا سکتے تالیہ مراد۔یہ صرف پردھان منتری (وزیرِاعظم) دلوا سکتا ہے۔''

''تو پھر میں....''وہ اٹھی اور میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھک کے شرارت سے بولی۔''....پردھان منتری سے شادی کر لوں گی اور اس سے پہلی درخواست یہ کروں گی کہ وہ تمہیں سچ مچ کی داتن پدوکا بنا دے۔خوش؟''

اس وقت کا وزیرِاعظم ایسا بوڑھا اور ٹھگنا تھا کہ داتن یہ سب سوچ کے ہی کھلکھلا کے ہنس دی تھی.....

چائے ختم ہو گئی تھی۔داتن کے ذہن کا پردہ خالی ہو گیا تھا۔اس نے چونک کے سر اٹھایا تو دیکھا....وہ اپنے فلیٹ میں تنہا بیٹھی تھی۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے موبائل اٹھایا اور اپنے اکاؤنٹ کا بیلنس چیک کیا۔اس میں بے پناہ رقم تھی۔اس نے عدنان کو میسج لکھا۔''ساشا بی بی ادھار دینے پہ راضی ہیں'میری تنخواہ سے کاٹ لیں گی'تم واپسی کی فکر نہ کرو'بس کاروبار پہ دھیان دو'صبح پیسے بھجوا دوں گی۔''

پیغام بھیج کر دل خالی سا ہو گیا۔پھر اٹھی اور جار اٹھا لیا۔اسے ان بسکٹس کو تالیہ کے لیے رکھنا تھا۔یہ محبت سے بنائے گئے تھے۔داتن کی کہانی میں ان کا تالیہ کے سوا کوئی حقدار نہ تھا۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

پھر اسے سمیع کو کھوجنے کا کام شروع کرنا تھا۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کے اونچے محل پہ چاند پوری آب وتاب سے چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم کچن سے اپنی چیزیں لے کر نکلا تو اشعر کو دھڑا دھڑ زینے اترتے دیکھا۔ وہ اس چہرے کے ساتھ نہیں پلٹا تھا جس کے ساتھ اندر گیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں، ماتھے پہ بل تھے اور ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ تیز چلتی انگلیاں۔ زینے پھلانگتا وہ سیدھا باہر نکل گیا۔

''اشعر آیا تھا واپس؟'' عصرہ نے اپنے بیڈروم کے دروازے سے گردن باہر نکالے حیرت سے اسے پکارا۔

''جی میم.... شاید باس سے کوئی بات کرنی تھی۔ اب وہ چلے گئے ہیں۔'' اس نے رسان سے مطلع کیا تو اس نے سر ہلا دیا۔ پھر ایڈم کے چہرے کا ہیجان دیکھ کے رکی۔

''کچھ کہنا ہے تم نے ایڈم؟'' غور سے ملازم کو دیکھا جو متذبذب لگ رہا تھا۔ سوال پہ نظریں جھکا کے جھینپ گیا۔

''نہیں وہ.... میم.... مجھے کچھ چاہیے تھا۔'' کہہ کے خود بھی پریشان ہو گیا۔ عصرہ نے ہاتھ دروازے سے ہٹا لئے اور بازوؤں کو سینے پہ لپیٹ لیا۔ ''کس سلسلے میں۔''

''وہ.... میری منگیتر.... میری شادی ہو رہی ہے کچھ ماہ بعد.... مگر اس سے پہلے....''

''پیسے چاہیے ہیں؟'' اس نے بات کاٹ کے سادگی سے پوچھا تو ایڈم نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ ''نہیں میم۔ ہرگز نہیں۔'' اس کا جیسے دل دکھ گیا تھا۔ لب بھینچ لئے۔ ''مجھے صرف ایک مشورہ چاہیے تھا۔''

''اچھا بتاؤ.... کیا پوچھنا ہے؟'' وہ نرمی سے بولی تو لڑکے نے آنکھیں اٹھائیں۔ ماتھے پہ ابھی تک اداسی سے در آنے والی لکیریں تھیں۔ عصرہ کو اس پہ ترس آیا۔ تئیس چوبیس برس کا نوجوان جو اگر کسی بڑے گھر میں پیدا ہوتا تو آج یوں کسی کی ملازمت نہ کر رہا ہوتا۔ خیر۔

''میری منگیتر کی سالگرہ ہے میں پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے کیا تحفہ دوں۔''

''اتنی سی بات؟'' وہ مسکرا دی۔ ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ ''کوئی اس کا پسندیدہ پرفیوم، یا کسی اچھے برانڈ کا جوڑا، یا کوئی اچھی کتاب۔ اگر ہو سکے تو جیولری دے دو۔'' پھر رکی۔ ''وہ سکہ جو میں نے تمہیں دیا تھا، جو تنکو کامل کے بیٹے نے فاتح کو گفٹ کیا تھا، وہ سنبھال رکھا تھا نا؟''

''جی میم۔'' ایڈم نے جھٹ سر ہلایا۔

اس روز تنکو کامل کے گھر سے واپسی پہ جب ایڈم نے کوٹ کی جیب سے سکہ نکال کر عصرہ کو امانت واپس کرنی چاہی تو وہ جو کار سے نکل کے اندر جا رہی تھی، کچھ سوچ کے مڑی اور اسے دیکھا۔ ''یہ تم رکھ لو۔''

''میں؟ مگر یہ تو اینٹیک ہے اور....''

''اینٹیک نہیں ہے یہ مگر ہے سونے کا۔ زیور وغیرہ بنوا لینا۔ میں تمہیں تمہارے کپڑوں پہ کچھ زیادہ ہی ٹوک گئی آج۔'' وہ سادہ مگر بلا جھجک انداز میں کہہ رہی تھی۔ یہ اس کے مداوے کا ایک طریقہ تھا۔

''مگر اس نے فاتح صاحب کو دیا تھا اور....''

''اور جب جب میں اسے دیکھوں گی مجھے یاد آتا رہے گا کہ فاتح نے ایک ننھے بچے کا کیسے دل دکھایا ہے۔'' اس کا اشارہ فاتح کا سکے کو نقلی کہنے پہ علی کامل کا چہرہ بجھ جانے کی طرف تھا۔ ''رکھ لو۔'' وہ شانِ بے نیازی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''جی میم....وہ سکہ ماں نے سنبھال رکھا ہے۔''

''اس کی انگوٹھی وغیرہ بنوا لو اور اس کو دے دو۔ خوش ہو جائے گی۔''

ایڈم نے سمجھداری سے سر ہلایا اور تشکر سے مسکرایا۔ ''شکریہ میم!'' عصرہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی اور پیچھے ہٹ کے دروازہ بند کر دیا۔

''تم نے وہ لاکٹ دیکھا جو مہمان خاتون تالیہ نے بیگم صاحبہ کو تحفے میں دیا ہے؟'' وہ اپنا بیگ اٹھانے کچن میں آیا ہی تھا کہ دونوں ملازمائیں فرج کھولے کھڑی کھسر پھسر کرتی دکھائی دیں۔

''ہاں....اُف....کیا خوبصورت لاکٹ تھا۔ مہنگا بھی بہت ہوگا۔ تم نے اس کے اندر لگے ہیرے دیکھے؟ پورے پانچ تھے۔''

''یا اللہ!'' وہ حیران ہوا۔ ''تم لوگ مالکوں کی چیزوں پہ اتنی گہری نظر رکھتی ہو کیا؟''

ملازمہ پلٹی اور تندہی سے اسے گھورا۔ ''ملازم کا کام نظر رکھنا ہی ہوتا ہے۔ چاہے آگے مالک ہوں یا دوسرے ملازم!'' پھنکار کے اطلاع دی اور واپس مڑ گئی۔ مگر ایڈم محمد ایک دم بالکل سُن رہ گیا۔ ملازم کا کام نظر رکھنا ہی ہوتا ہے۔ چاہے آگے مالک ہوں یا دوسرے ملازم؟؟؟

ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا اور اس کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا.....

بیگ اٹھا کے وہ بے اختیار باہر کو بھاگا.....

تنکو کامل کے گھر کے گیٹ کے باہر گیلی سڑک ویران پڑی تھی۔ رات کی تاریکی کو اسٹریٹ پولز نے روشن کر رکھا تھا۔ بارش کچھ دیر ہوئی رک چکی تھی۔ ایسے میں سامنے اُگے درختوں کی اوٹ میں ایڈم کھڑا تھا۔ کوٹ ندارد تھا' سادہ شرٹ پینٹ میں ملبوس وہ آنکھیں چھوٹی کر کے گیٹ پہ جمائے ہوئے تھا۔

بالآخر گیٹ کھلا اور ایک ملازمہ باہر نکلتی دکھائی دی۔ یہ ملازموں کی چھٹی کا وقت تھا۔ یقیناً اسے بس اسٹاپ کی طرف جانا تھا۔ ایڈم محتاط قدموں سے درمیان میں فاصلہ رکھے اس کا پیچھا کرنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ مین روڈ پہ آ گئی۔ گاڑیاں زن سے سامنے سے گزرتی جا رہی تھیں۔ ملازمہ بس کے انتظار میں ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ تب وہ تیز تیز چلتا اس کے قریب آیا۔ ''بات سنیں۔'' مصروف الجھے ہوئے انداز میں اسے پکارا۔ تو وہ چونک کے پلٹی۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ اندھیرے میں کھڑا تھا' پھر بھی وہ اسے دیکھ سکتی تھی۔ شاید پہچانی نہیں تھی کیونکہ ایڈم کو نہیں یاد اگر اس ملازمہ سے اس کا پہلے آمنا سامنا ہوا ہو۔

''تنگو کامل بن محمد کے گھر کام کرتی ہیں آپ؟'' دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا مگر سچائی کو کھوجنے کے لئے آج اسے جھوٹ بولنا تھا۔

''ہاں.... کیوں؟'' وہ چونکی ہوئی۔

''مجھے تالیہ نے....'' تھوک نگلی۔ زبان لڑکھڑائی۔ ''بھیجا ہے۔ تالیہ نے کچھ تحائف بھیجے تھے آپ کے لئے اور اپنی ساری ساتھی ملازماؤں کے لئے۔'' بولتے بولتے اسے سانس چڑھنے لگا۔ جھوٹ بولنا کتنا دشوار تھا۔

ملازمہ کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ خوشگوار سی حیرت۔ ''اس نے تحائف پاکستان سے بھجوائے ہیں؟ وہ تو پاکستان چلی گئی تھی نا۔''

اور ایڈم اس لمحے بالکل پتھر کا بت بن گیا۔ یعنی تالیہ واقعی ان کی ملازمہ تھی؟

وہ سرخروئی کا لمحہ تھا۔ اس کا سچ جیت گیا تھا۔ اس کے اعضاء نے اس سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ایڈم سچا تھا۔ تالیہ جھوٹی تھی۔

''جی۔'' بدقت وہ بول پایا۔ ''مگر.... میں ذرا کنفیوزڈ ہوں۔ میں نے آپ کو تنگو کامل کے گھر سے نکلتے دیکھا لیکن کیا آپ واقعی تالیہ کے ساتھ تنگو کامل کے گھر کام کرتی تھیں؟ یہ نہ ہو میں تحائف کسی اور کو دے بیٹھوں۔''

''ہاں ہاں۔ میں نور ہوں۔ تالیہ مجھے جانتی ہے۔''

مگر اس نے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھا' جیسے کافی الجھ گیا ہو۔ ''اور کتنا عرصے آپ دونوں نے ساتھ کام کیا؟ سوری مگر مجھے کنفرم کرنا ہے کہ....''

''دو ماہ.... وہ دو ماہ پہلے آئی تھی' اس نے ریستوران میں تنگو کامل کے بیٹے کی جان بچائی تھی' یونواس کو الرجی ہے مونگ پھلی سے اور اس نے غلطی سے سلاد میں سے مونگ پھلی کھالی تو تالیہ جو وہاں ویٹرس تھی اس نے کوئی گھاس پھوس بچے کے منہ میں ڈالا جس سے اس کی حالت سنبھل گئی۔ ویسے کیا بھیجا ہے تالیہ نے۔''

''کچھ کپڑے اور پرفیومز ہیں۔ باقی ملازموں میں بھی آپ کو ہی بانٹنے ہوں گے۔ مگر اتنا سامان جو میں آپ کے حوالے کروں اور کل کو آپ کہیں کہ آپ تالیہ کو جانتیں تک نہیں۔'' ذرا سی ہمت کر کے بولا تو لڑکی کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ ''کتنی دفعہ بتاؤں کہ اس کو جانتی ہوں۔ آپ تالیہ سے بات کروادیں میری۔''

''تاکہ وہ مجھے ڈانٹے کہ میں نے اس کی دوست پہ شک کیوں کیا؟ مگر ایک منٹ۔'' اس نے سیل فون نکال کے ایک تصویر سامنے کی۔ ''کیا یہ تالیہ ہے؟''

وہ کسی چینی اداکارہ کی تصویر تھی۔ نور نے الجھ کے سر نفی میں ہلایا۔ ایڈم نے اسکرین آگے کی۔ ایک ملے اداکارہ۔ نور نے اچنبھے سے پھر

ناں کی۔تیسری تصویر وہ سامنے لایا تو وہ سنہری بالوں والی تالیہ تھی۔نور نے گہری سانس لی۔"امتحان لے رہے تھے آپ میرا؟یہی ہے تالیہ۔مگر...."اس نے انگلیوں سے اسکرین پہ چٹکی لی اور تصویر زوم کی۔"اچھی لگ رہی ہے یہاں۔بال رنگ کر لئے اس نے۔"

"ہاں'پہلے اس کے بال سیاہ تھے۔"وہ بڑبڑایا۔

"لگتا ہے اچھی جگہ شادی ہوگئی اس کی۔میک اپ وغیرہ کرنا آ گیا۔"

"شادی؟"وہ چونکا۔نور نے آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔

"کیا ابھی تک نہیں ہوئی؟شادی کے سلسلے میں تو اس کے نکھٹو باپ نے اسے واپس بلایا تھا۔سارا خاندان غریب تھا'ایک یہی کماتی تھی' اور سب اس کے پیسے پہ عیش کرتے تھے۔مجھے لگتا تھا کسی نکمے سے شادی کر دیں گے اس کی مگر اس کے کپڑے اور جیولری تو دیکھو۔لگتا ہے وہ امیر ہے۔"پھر سر جھٹکا۔"خیر۔سامان کدھر ہے۔"

"سامان۔"ایڈم گڑبڑایا اور جلدی سے فون اس کے ہاتھ سے لیا۔"وہ میں کل لا دوں گا۔آپ کی بس آ گئی۔"نور نے مڑ کے دیکھا'بس خراماں خراماں چلتی قریب آ رہی تھی۔اس نے بیگ اٹھایا اور واپس پلٹی۔"اچھا کل صبح میں...."مگر بات ادھوری رہ گئی۔پیچھے کوئی نہ تھا۔ ایڈم جا چکا تھا۔

"چلو۔کل آئے گا نا۔"اس نے خود کو تسلی دی اور بس کی طرف بڑھ گئی۔

وہاں سے جلدی سے کھسک کے ایڈم ایک دوسری بس پکڑ کے گھر آ گیا تھا۔وہ حیران تھا'شاکڈ تھا'خوش تھا۔

وہ سچا تھا۔وہ لڑکی وہ نہیں تھی جو وہ خود کو کہہ رہی تھی۔وہ شاید بہروپیہ تھی۔فاتح کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ہاں یہ بات ہو سکتی تھی۔یا اللہ ...تو انکو(آقا)....مجھے اس جھوٹ کے لئے معاف کرنا....میرے پاس سچ ثابت کرنے کا کوئی اور طریقہ نہ تھا....وہ خطرناک لڑکی ہے اور مسز تنگو کامل اس کو اس دن صاف بچا گئی تھیں....سب جھوٹ بول رہے تھے تو انکو....انہیں مات دینے کے لئے مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں۔

وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا'توبہ کرتا اپنے گھر کا چھوٹے دروازے کھول رہا تھا۔ڈربے میں بیٹھی مرغی نے زور کی کٹاک کی۔اس کے پروں تلے چھپے ننھے چوزے چوں چوں کرنے لگے۔ایڈم نے ہش کیا تو مرغی کے پر جو کھل گئے تھے'دھیرے دھیرے تھم کے سمٹتے گئے اور وہ پرسکون ہوگئی۔

ایڈم دبے قدموں گھر میں داخل ہوا۔آہستہ سے چابی گھمائی۔لبوں پہ پرجوش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں فتح کی چمک۔جسم میں توانائی سی بھری تھی۔دھیرے سے اندر آیا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔مگر پھر ٹھٹکا۔

آج ماں کیوں نہیں اس کی راہ تکتی نظر آئی؟نگاہیں سامنے کو اٹھیں۔ایبو(ماں کو ملے میں ایبو کہتے تھے)اور بابا کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔وہ بنا چاپ کے دھیرے دھیرے چلتا آگے آیا مگر پھر قدم خود بخود زنجیر ہو گئے۔

''اب کیا ہوگا؟ بھائی صاحب واقعی سنجیدہ ہیں؟'' ایبو پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

''سنجیدہ ہیں تو اتنی سفا کی سے شرط رکھی ہے نا کہ جب تک ہم ایک بنا بنایا اپارٹمنٹ یا گھر فاطمہ کے نام نہیں لگائیں گے' وہ ایڈم اور فاطمہ کی شادی نہیں کریں گے۔''

باہر کھڑے ایڈم کی سانس تھم گئی۔

''مگر وہ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ جانتے تو ہیں کہ ایڈم محنتی ہے اور جلد اس کو نوکری مل جائے گی اور .....''

''ان کی طرف سے دیکھو تو بات غلط بھی نہیں ہے۔ جب انہوں نے ایڈم سے فاطمہ کا رشتہ طے کیا تھا تو ایڈم فوج میں تھا' اس کا مستقبل ان کو روشن نظر آیا تھا لیکن اب ایڈم کے پاس جاب نہیں ہے اور وہ بغیر کسی سیکیورٹی کے فاطمہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے۔''

''لیکن تمہارا اسٹور بھی ہے اور ایڈم محنتی ہے' ایک دن وہ بہت اوپر جائے گا محمد۔ لوگ اس بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟ فوج کی نوکری دنیا کا آخری کنارہ تو نہیں ہوتی کہ اس کے بعد خلاء آجائے؟'' ایبو دکھی دل سے کہہ رہی تھی اور ایڈم شکستگی سے پلٹ گیا۔

اپنے کمرے کا دروازہ اس نے بنا آواز کے بند کیا اور بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ بالکل چپ۔ ساکت۔ جیسے دل ہی تھم گیا ہو۔

کتنی ہی دیر وہ یونہی بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور الماری کھولی۔ چند کپڑے آگے پیچھے کیے اور پھر.....وہ یونیفارم نکالا.....اس پہ آج بھی نیم پلیٹ یونہی لگی تھی۔ ایڈم Adam۔ اس نے نیم پلیٹ پہ انگلیاں پھیریں۔

بہت کم لوگ جانتے تھے کہ ایڈم کو دمے کی وجہ سے فوج سے نہیں نکالا گیا تھا۔ نیم پلیٹ کو خالی نظروں سے تکتے ہوئے وہ ایک دم جیسے اس کی چمکتی دھات میں مناظر دیکھنے لگا تھا......

چیخ و پکار..... ننھی لڑکی کے چیخنے کی آواز نے پورے سفاری پارک کو سر پہ اٹھا رکھا تھا۔ مجمع ٹیلے پہ کھڑا ہکا بکا سا نشیب میں اُگے شوگر سیبوں کے اونچے درخت کو دیکھ رہا تھا جس کے اوپر..... بالکل اوپر ایک دس بارہ سال کی بچی چڑھی تھی' اور خوف سے چیخیں مار رہی تھی۔ سفاری پارک کا عملہ ڈنڈے لئے آگے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوئی کال ملا رہا تھا' کوئی مدد کے لئے دوسروں کو پکارنے بھاگ رہا تھا۔

کیپٹن ایڈم اور میجر بدرالدین درختوں کے درمیان بنی روش پہ چلتے آرہے تھے۔ کریو کٹ بال اور سن گلاسز لگائے میجر بدر صاف رنگت کا حامل ملے نوجوان تھا۔ ایڈم کی رنگت اس سے ذرا دبی تھی۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس' وہ چھٹی کا دن انجوائے کرنے یہاں آئے تھے اور ابھی بدر کوئی بات کہہ ہی رہا تھا کہ دور سے لڑکی کی چیخوں کی آواز آئی۔

ایڈم چونک کے گھوما۔ یہ سفاری پارک تھا' اور جانوروں سے ہر وقت خطرہ بہرحال موجود رہتا تھا۔ خدا جانے کیا ہوا تھا؟ بنا سوچے سمجھے اس نے اس طرف دوڑ لگا دی۔

''کدھر جا رہے ہو؟ ہمیں فلم کے لئے جانا ہے....ایڈم....ایڈم!'' بدر ا کتا کے اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ تیز بھاگتا اونچے نیچے راستے پھلانگتا ٹیلے کی چوٹی تک آیا تو مجمع سامنے تھا اور بچی چند گز کے فاصلے پہ درخت پہ چڑھی چلا رہی تھی۔ ٹیلے اور درختوں کے درمیان گہری

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

گھائی تھی۔ وہ چند لوگوں کو ہٹا کے آگے آیا تو لمحے بھر کو بالکل ساکت ہو گیا۔

درخت کے تنے کے ساتھ ایک کموڈو ڈریگن زمین پہ لیٹا سر اونچا کر کے بچی پہ غرا رہا تھا۔ (کموڈو ڈریگن دنیا کی سب سے بڑی چھپکلی ہوتی ہے' بالکل مگرمچھ کی طرح' مگر کافی موٹی تازی اور زہریلی۔) سیاح چلا چلا کے گائیڈز کو مدد لانے کے لئے کہہ رہے تھے مگر کوئی شخص ڈریگن کے قریب جانے کو تیار نہ تھا۔

ایڈم نے لمحے بھر میں ہی صورتحال بھانپ لی تھی۔ درخت پہ چڑھی بچی سیاح نہیں تھی۔ وہ دوسری طرف سے گاؤں سے آئی تھی' یقیناً میٹھے سیب چرانے۔ اور ڈریگن یقیناً بھوکا تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے انسانوں پہ حملہ نہیں کرتا تھا۔ موٹا تازہ بھی تھا۔ اگر ڈریگن کا بچہ ہوتا تو درخت پہ چھپکلی کی طرح چڑھ جاتا مگر بڑا ڈریگن اپنے وزن اور دس بارہ فٹ کے سائز کے باعث اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا' سو اب بچی کو ڈرا اور غرا کے اس کے گرنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''بچاؤ... کوئی مجھے بچاؤ۔'' وہ روتے ہوئے چلائے جا رہی تھی۔

''اب تم اندر مت کود پڑنا ہیرو بن کے۔ سفاری پارک کو خود ہینڈل کرنے دو۔ ان کے پاس عملہ ہو گا اس صورتحال کے لئے...'' بدر نے اسے تنبیہہ کی جو گردن اوپر نیچے کرتا پریشانی سے صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔

''بچی گر جائے گی۔ ہمیں کچھ کرنا ہو گا۔'' بدر کا جواب سنے بغیر وہ تیزی سے آگے بھاگا اور ایک ڈنڈا بردار ورکر کو روکا۔ ''کیپٹن ایڈم۔'' اپنا بیج لہرا کے جیب میں رکھا اور اس کو دونوں کندھوں سے پکڑا۔ ''تم لوگ اس کو کتنی دیر میں پکڑ سکتے ہو؟''

''دس... پندرہ منٹ لگیں گے' دوسرے لڑکے لنچ بریک کی وجہ سے دور گئے ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے اسی طرح ایک ڈریگن نے سپروائزر کا پاؤں کھا لیا تھا' کوئی ان کے قریب نہیں لگنا چاہتا۔''

''وہ بھوکا ہے بے وقوف' ایک دفعہ وہ کھانے میں مصروف ہو جائے گا تو اس کا دھیان لڑکی سے ہٹ جائے گا۔ تم فوراً جاؤ اور سفاری سے اپنا کوئی ہرن کا بچہ نکال کے لاؤ۔ ہرن ہی کھاتا ہے نا یہ؟'' ورکر نے جھٹ سر ہلایا۔

''گڈ۔ اس کے آگے ہرن ڈالو تو یہ سب بھول جائے گا۔ میں بچی کو نیچے اتارتا ہوں۔'' ورکر فوراً دوسری طرف دوڑا تو عمر نے اسے حیرت سے روکا۔ ''تمہیں ڈریگن کے بارے میں اتنا کیسے پتہ؟''

''تم کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟'' وہ خفگی سے کہہ کے آستین چڑھاتا آگے کو دوڑا۔ ٹیلے کے سرے پہ آ کے وہ رکا۔ ''بے بی... بے بی... میری طرف دیکھو۔'' بلند آواز میں پکارا تو مجمع کے چار پانچ لوگ بھی مڑ کے دیکھنے لگے۔ بچی ہنوز چلائے جا رہی تھی۔

''میں تمہیں یہاں سے بچا لوں گا' یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا۔ بے بی... مجھے بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ ہونٹوں کے گرد ہاتھوں کا دائرہ بنا کے چلا کے بولا تو بچی کی چیخیں رکیں۔ آنسوؤں کے درمیان اس نے اوپر دیکھا جہاں سامنے والے ٹیلے پہ لوگوں کے جھرمٹ میں ایک نوجوان کھڑا اس کو پکار رہا تھا۔

''نادیہ!'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''نادیہ میں فوجی ہوں۔ تمہیں فوجی اچھے لگتے ہیں نا۔''

بچی نے جواب نہیں دیا۔ آنسو بہاتی اس کو دیکھتی رہی۔

''نادیہ....اس کو مت دیکھو' مجھے دیکھو۔ مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ اونچی آواز میں اس کو پکار رہا تھا۔ بچی نے ڈریگن سے نظریں ہٹا دیں اور اس پہ جما دیں۔ اب وہ بات سننا چاہتی تھی۔

''ہمارے جنرل صاحب کہتے ہیں نادیہ کہ....'' وہ بچی سے نظریں ہٹائے بغیر باآواز بلند بات جاری رکھے ہوئے تھا۔ ''اگر کبھی زندگی میں کسی بری عادت' کسی نہ مل سکنے والی محبت یا کسی جنون اور شوق کا شکار ہو جاؤ تو یاد رکھنا....جتنا زبردستی چیخ چیخ کے اس کو خود سے نوچ پھینکنے کی کوشش کرو گے....وہ اتنا اور تمہارے اوپر سوار ہو گا....وہ اتنا تمہیں ڈرائے گا....تم سن رہی ہو نا دیہ....کسی خوفناک درندے کی طرح وہ چیز ہمیں ڈراتی رہے گی....''

درخت کی شاخیں جکڑے بچی نے بھیگی آنکھیں اسی پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ کہتے ہیں....ان چیزوں کا مقابلہ بھی ایسے ہی کیا جاتا ہے جیسے کسی بڑے خوفناک درندے کا کیا جاتا ہے۔ پتہ ہے کیسے؟ پرسکون ہو کر۔ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ مزاحمت چھوڑ دو۔ ڈرنا چھوڑ دو۔ اپنی خواہش' جنون' پاگل پن سے جب ہم ڈرنا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ فیز گزر جاتا ہے....تم پرسکون ہو کے اس کے گزر جانے کا انتظار کرو....ریلیکس کرو....یہ تمہیں نہیں کچھ کہہ سکتا جب تک تم پرسکون ہو....بہادری اس کو کمزور کرے گی۔ تمہارا خوف اس کو مضبوط کرے گا۔ سنا تم نے نادیہ؟''

بچی نے گہرے سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ابھی تک شاخوں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔

''اسے تمہاری شاعری نہیں سمجھ آئے گی ایڈم۔'' بدر نے اکتاہٹ سے اسے ٹوکا تھا۔

''شدید حالات میں کوششیں بھی شدید کرنی پڑتی ہیں۔''

وائلڈ لائف کے ورکرز تیزی سے دوڑتے آ رہے تھے۔ کسی نے ڈریگن کے سامنے کٹا ہوا ہرن پھینکا۔ باقی ڈنڈے لئے فاصلے پہ احتیاط سے کھڑے ہو گئے۔ ڈریگن نے خوشبو سے ایک دم گردن موڑی اور تیزی سے اس طرف رینگا۔ درخت سے دور۔

ایڈم تیزی سے درخت کی طرف لپکا۔ بدر نے اسے پکارا مگر وہ جواباً چلایا۔ ''تم ڈنڈے کے ساتھ ڈریگن کو پکڑنے کی کوشش کرو....ورکرز کی مدد کرو۔''

اور خود آگے بھاگ گیا۔ ورکرز نے بدر کو ڈنڈا پکڑایا تو وہ برا منہ بناتا ڈریگن کی طرف بڑھا۔ ایڈم درخت کے نیچے آ کر رکا۔ ڈریگن چند قدم کے فاصلے پہ تھا۔ اس کی طرف پیٹھ کیے ہوئے وہ ہرن کے کٹے جسم میں منہ ڈالے دیوانہ وار ماس کھا رہا تھا۔ ایڈم نے سر اونچا کر کے اوپر چڑھی خوفزدہ بچی کو دیکھا۔

''اور اب تم وہی کرو جو جنون' محبت اور درندوں کے مقابلے میں کیا جاتا ہے۔ پرسکون ہو جاؤ۔ گہرے سانس لو....خود کو ہلکا چھوڑ دو۔ آگے کیا ہوگا کے خوف سے نکل آؤ۔ مجھ پہ بھروسہ کرتے ہوئے....چھلانگ لگا دو....خود کو ہوا کے حوالے کر دو۔ میں تمہیں پکڑ لوں گا۔ شاباش نادیہ۔'' وہ بازو پھیلائے کہہ رہا تھا...آواز اب کے کافی مدھم تھی۔ مجمعے کی سانسیں تھم گئی تھیں۔ ورکرز ڈنڈے پکڑے ابھی بھی دور کھڑے تھے۔ عجیب خوف تھا جو سب پہ طاری تھا۔ بچی نے شاخ پکڑے ڈریگن کو دیکھا تو ایڈم نے پکارا۔

''یہ نہیں سوچتے کہ بری چیزیں ہمارے ساتھ کتنا برا کر سکتی ہیں۔ یہ سوچتے ہیں کہ ہم دنیا میں کتنا اچھا کر سکتے ہیں۔'' بچی نے ڈریگن سے نظریں ہٹا کے اس پہ جمائیں۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی....پھر کود گئی....

اس کے پیر زمین چھونے سے قبل ایڈم نے اسے پکڑ لیا تھا۔ اگلے ہی پل وہ بچی کو اٹھائے دیوانہ وار اوپر کی طرف بھاگا تھا۔ مجمع خوشی سے شور مچانے لگا اور بدر سمیت ورکرز ڈنڈے لئے ڈریگن کی طرف بھاگے۔ اس کو اب لگام ڈالی جا سکتی تھی۔

''کیا اب یہ اس کو مار دیں گے؟'' اس کی گردن کے گرد باز و پھیلائے' اس سے لگی بچی نے سراسیمگی سے پوچھا۔ وہ اسے اٹھائے ٹیلے تک آ پہنچا تھا۔

''نہیں۔ چاہے درندہ کیسا بھی ہو' ہمیں اس کی جان لے لینا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن۔'' اس نے ایک محفوظ جگہ پہنچ کے بچی کو زمین پہ اتارا اور اس کے ہاتھ تھامے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا' پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں جانتا ہوں تم میٹھے سیب چرانے آئی تھیں۔ تم نادیہ' آئندہ چوری نہیں کرو گی۔ چوری کا پھل کبھی میٹھا نہیں نکلتا۔ ایک ذرا سی خواہش کے پیچھے زندگیاں چٹکی میں تباہ ہو جاتی ہیں۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا اور بچی نے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کے ہاتھ ابھی تک ایڈم کے ہاتھوں میں تھے.....

اپنے تاریک کمرے میں بیٹھا ایڈم ابھی تک نیم پلیٹ کو تک رہا تھا...چمکتے دھات میں سے ایک اور منظر ابھر ابھر سا رہا تھا جیسے کنویں کے پانی میں ہچکولے کھاتا چاند کا عکس ہو.....

وہ ایک ملٹری اعزازات اور کتابوں سے سجا آفس تھا۔ وردی والا بارعب شخص مرکزی کرسی پہ بیٹھا تھا اور ابرو بھنچ کے ناگواری سے سامنے یونیفارم میں الرٹ کھڑے ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔ ایڈم کے ہاتھ سیدھے تھے' سر پہ کیپ تھی' البتہ آنکھوں پہ سخت دکھ اور بے بسی بھرے غصہ پنہاں تھا۔

''اگر میجر بدر کو کوئی اعلیٰ اعزاز مل رہا ہے تو تمہیں اس میں کیا مسئلہ ہے' کیپٹن ایڈم؟''

''سر میں یہ نہیں کہتا کہ میجر بدر کو اعزاز نہ ملے۔ اس نے ڈریگن کو اس جگہ سے ہٹایا تھا' میں مانتا ہوں' مگر سر...اس بچی کو بچانے میں میرا بھی رول تھا۔ مجھے کوئی اعزاز' کوئی انعام' کچھ بھی کیوں نہیں مل رہا؟''

''تم نے انعام کے لئے بچی کو بچایا تھا؟''

''نہیں سر۔لیکن مجھے گھر میں اور فوج میں یہی سکھایا گیا ہے کہ جب کچھ غلط ہوتے دیکھوں تو ہاتھ یا زبان سے اسے روکوں۔میں نے تب بھی یہی کیا۔اب بھی اپنے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھ کے یہی کر رہا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے جذباتی ہو گیا تھا۔

''ایوارڈ ایک ہی شخص کو مل سکتا ہے' چونکہ بدر کا کردار زیادہ نمایاں تھا' اس لئے وہ اس کا حقدار ہے۔''

''مگر سیاحوں کی فوٹیجز.....موبائل ویڈیوز جو یوٹیوب پہ موجود ہیں.....ان کا کیا سر؟''

''میں مزید اس بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا ایڈم۔'' وہ اب کرختگی سے بولا تو ایڈم نے نظریں جھکا لیں۔چند گہرے سانس لئے اور آنکھیں اٹھائیں تو ان میں زمانے بھر کے شکوے تھے۔

''میرے ساتھ یہ سب صرف اس لئے ہو رہا ہے کیونکہ میں اورنگ اصلی ہوں۔ہے نا سر!''

(اورنگ اصلی original people نچلی ذات ہے جو بظاہر ملے جیسے ہی لگتے ہیں مگر رنگت ذرا دبتی ہوئی ہوتی ہے۔ان کو ملائیشیا میں وہی مقام عموماً دیا جاتا ہے جو امریکہ میں سفید فام کے مقابلے میں سیاہ فام کو یا انڈیا میں براہمن کے مقابلے پہ شودر کو ملتا ہے۔)

''بہت ہو گیا۔میں آئندہ یہ racist گفتگو نہ سنوں اس چھاؤنی میں۔'' کمانڈر نے میز پہ غصے سے ہاتھ مارا تو ایڈم خاموش ہو گیا۔

بیڈروم ابھی تک تاریک تھا۔وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھا تھا۔ہاتھ میں یونیفارم اٹھا رکھا تھا جس پہ لگی نیم پلیٹ چاندنی سے مزید روشن ہو گئی تھی۔ایڈم کی اداس آنکھیں اس پہ کندہ اپنے نام پہ جمی تھیں جس پہ وہ دن آج بھی تحریر تھا جب.....

وہ لاکر روم میں اپنے کھلے لاکر کے سامنے کھڑا تھا اور اندر سے کپڑے الٹ پلٹ کر رہا تھا جب پیچھے کوئی آ کے کھڑا ہوا۔ایڈم نے ایک اچٹتی نظر اپنے عقب میں ڈالی مگر پھر ٹھہر گیا۔وہ میجر بدر تھا اور ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سب کہہ رہے ہیں کہ تم نے جنرل نصیر کو ای میل کی ہے کہ تمہیں ایوارڈ اورنگ اصلی ہونے کی وجہ سے نہیں دیا جا رہا۔''

''میں نے وہ کہا ہے جو سچ ہے۔'' وہ بے رخی سے کہہ کر واپس اپنے کپڑے کھنگالنے لگا۔

''جنرل نصیر آج چھاؤنی آ رہے ہیں' اگر تمہیں لگتا ہے کہ وہ اس نسلی امتیاز کی کہانی کو سن کر تمہیں ایوارڈ دلوا دیں گے تو تم غلط ہو۔'' ایڈم گھوما اور سنجیدگی سے اس کو دیکھا۔

''میں یہ ایوارڈ لینے کے لئے نہیں کر رہا۔اگر صرف مجھے ایوارڈ دیا جاتا اور آپ کو چھوڑ دیا جاتا تو میں آپ کے لئے بھی ایسے ہی لڑتا۔'' پھر رکا اور گہری سانس لی۔''میں شاید اس نسلی امتیاز پہ خاموش ہو جاتا لیکن اس روز میں نے ممبر پارلیمنٹ وان فاتح رامزل کا انٹرویو دیکھا تو جانتے ہیں اس نے کیا کہا؟ وہ کہہ رہا تھا' ذاتی زندگی ہو یا کیریئر' صرف سچ بولنا اور سچ کے لئے کھڑے ہونا آپ کو ترقی دلاتا ہے۔صرف سچ آپ کو بلندی پہ لے کر جائے گا' کیونکہ وہ آپ کو ہلکا کر دیتا ہے اور آپ ہر بوجھ سے آزاد فضا میں پرواز کر سکتے ہیں۔''

وہ ایڈم کے قریب ہوا اور آواز دھیمی کی۔''اگر تم کمانڈر کے خلاف جاؤ گے تو یہ مت بھولنا کہ کمانڈر میڈیکل بورڈ بٹھا کر تمہارے دمے کی تفتیش کروا سکتا ہے۔''

ایڈم لمحے بھر کو بالکل ہکا بکا رہ گیا۔"مگر مجھے دمہ نہیں ہے' وہ تو صباح کے جنگل میں ٹریننگ کے باعث معمولی الرجی ہوگئی تھی لیکن میں ....'' وہ پریشان حیران سا بولا تھا۔''میں یہ جڑی بوٹیوں سے علاج کی کتاب پڑھ رہا ہوں'اس میں ہر بیماری کا علاج ہے'میرا دمہ چند ماہ میں ٹھیک ہو جائے گا'' اس نے لاکر سے کتاب نکال کے دکھائی۔''اور دمے کی وجہ سے کسی کو فوج سے نہیں نکالا جا سکتا۔''

''میں تم سے ہمدردی کر رہا تھا ایڈم۔عقل سے کام لو۔صحت کے مسئلے کی وجہ سے فوج سے نکالے گئے تو کوئی تمہیں باڈی گارڈ بھی نہیں رکھے گا۔منگیتر شادی سے انکار کر دے گی۔مگر تم شاید سمجھتے ہو کہ یہ کتابیں اور یہ وان فاتح والی آئیڈیالوجی تمہیں ترقی دلائے گی؟ بیوقوف لڑکے' کبھی سوچا کہ آج صوفیہ رحمٰن وزیرِاعظم کیوں ہے اور وان فاتح خود کیوں وہ ترقی حاصل نہیں کر سکا؟''

اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا اور ایک ترس کھاتی نظر اس پہ ڈال کے آگے بڑھ گیا۔ایڈم بالکل چپ رہ گیا تھا۔گم صم.....

لاکر روم کا منظر وقت کی سیاہ اسکرین پہ غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک روشن دن طلوع ہوا....چھاؤنی کی انگریز کے زمانے کی بنائی عمارت کے برآمدے میں گردن سیدھی کیے کھڑا ایڈم۔بالکل چاق و چوبند اور مستعد۔اور سامنے کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا سفید بالوں والا جنرل سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھا۔

''اور تمہارے خیال میں اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ سوچ سمجھ کے کہنا جو بھی کہنا۔''

''میں سوچ چکا ہوں سر۔ایڈم جھوٹ نہیں بولے گا۔'' وہ سپاٹ نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''ایڈم کے ساتھ یہ زیادتی اس لئے ہو رہی ہے کیونکہ ایڈم ایک اورنگ اصلی ہے اور ہماری فوج آج بھی ملے کو اورنگ اصلی پہ ترجیح دیتی ہے۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے سپاٹ نظروں سے کہہ رہا تھا۔''اور ایڈم سچ اس لئے بول رہا ہے کیونکہ ہمارے رسول اللہ ﷺ اس دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں اور انہوں نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ چاہے زمانہ کوئی بھی ہو....انسان کو بلندی صرف سچ عطا کرتا ہے۔سیاسی لیڈر غلط ہو سکتے ہیں' کمانڈر غلط ہو سکتا ہے' مگر رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سچ فرماتے تھے' اور انہوں نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ کسی گورے کو کالے پہ فوقیت نہیں ہے' پھر ایڈم کے ساتھ کسی صاف رنگت والے کے لئے کیوں زیادتی کی جائے سر؟''

جنرل نصیر آنکھیں چھوٹی کر کے خاموشی سے اسے سن رہا تھا جو بے خوفی سے بولے جا رہا تھا.....

اور جو آخری منظر ایڈم بن محمد کو یاد تھا وہ چھاؤنی میں فوجیوں کے زیرِ استعمال کمروں کا تھا۔وہ ایک کمرے کے اندر دروازہ بند کیے دیوار کے ساتھ نیچے زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا....اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پہ میڈیکل بورڈ نے اس کو فوج کے لئے اَن فٹ قرار دے دیا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں میں اسے بھینچے' سر جھکائے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔مگر کوئی سن نہ لے' اس خوف سے سسکیاں دبائے ہوئے تھا۔سرخ گلابی چہرے پہ آنسو لڑھکتے اس کی وردی کے سینے کو بھگوتے جا رہے تھے۔اور وہ روئے جا رہا تھا.....

''سچ تو کامیابی دیتا ہے۔سچ تو انسان کو عظمت دیتا ہے....پھر میرے خواب کیوں چھن گئے مجھ سے اللہ تعالیٰ؟ ایڈم تو صرف اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا تھا' فوج کی وردی پہن کر اپنے ملک کو دشمنوں سے نجات دلانا چاہتا تھا' مگر ایڈم کی رنگت ذرا گہری ہے اس لئے ایڈم

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا
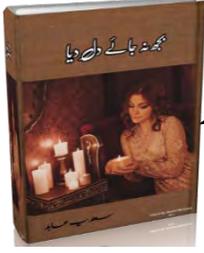
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی
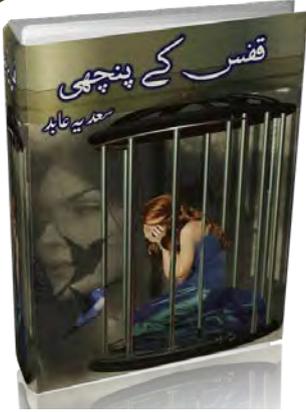
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟
اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

سے یہ موقع چھین لیا گیا' اللہ تعالیٰ ایڈم اس لئے ظلم کے خلاف کھڑا ہوا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ ظلم کو خاموشی سے برداشت کر لینے والا بھی ظالم جیسا ہوتا ہے۔ پھر ایڈم کے خواب کیوں ٹوٹ گئے' تو انکو؟''

وہ گھٹنوں پہ سر رکھے گھٹی آواز میں روئے جا رہا تھا... ہچکیوں سے..... سسکیوں سے.... مگر وقت کا پہیہ پیچھے نہیں مڑ سکتا تھا.....

اور اب اپنے تاریک بیڈروم میں بیٹھے ایڈم کو تالیہ مراد کی ''دریافت'' یکسر بھول چکی تھی۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ جس منگیتر کے ساتھ اس کی جذباتی وابستگی کافی عرصے سے بن چکی تھی' وہ فوج سے نکالے جانے کے بعد پچھلے ایک برس سے اس کے ساتھ اس لئے کٹی کٹی رہنے لگی تھی کیونکہ وہ اب ''بے کار'' تھا۔ ملے قوم کے لئے' اپنے خاندان کے لئے' وہ سب کے لئے بے کار تھا۔

وہ اسی طرح اداسی سے بیٹھا رہا اور رات بھیگتی رہی..... بلی اس کی کھڑکی کے سامنے منڈیر پہ بیٹھی اسے دیکھتی رہی اور چاند خاموشی سے چمکتا رہا.....

☆☆=========☆☆

رات کے اس پہر بھی کوالالمپور جاگ رہا تھا۔ تالیہ مراد اپنے گھر کا گیٹ بند کر کے باہر نکل رہی تھی۔ اس نے ٹراؤزر کے اوپر ہڈ والی لمبی شرٹ پہن لی تھی اور پیروں میں جوگرز تھے۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ گیلی سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ تیز تیز۔ نظریں دور سامنے جمی تھیں اور ذہن پیچھے تھا......

سات سال پہلے.....لائبریری کے لان میں ایک بینچ رکھا تھا.... ہرے گھاس پہ رکھا سرمئی بینچ جس پہ بھاری سی داتن ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ چہرے پہ حیرت اور تحیر لئے وہ منہ کھولے تالیہ کو سن رہی تھی جو اس کے چاروں طرف چکر کی صورت ٹہلتی ہاتھ ہلا ہلا کے مزے سے اپنا کارنامہ بتا رہی تھی۔

سیاہ لمبے بالوں والی تالیہ کوالالمپور میں گزارے چند ماہ میں ہی خوش خوراکی کے باعث قدرے بھری بھری ہو گئی تھی۔ رف سی اسکرٹ اور اوپر لمبی قمیض پہنے' اس کا چہرہ گلابی اور بچوں کی طرح پھولا ہوا لگتا تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی اور لبوں پہ شرارتی مسکراہٹ۔

''پرسوں میں سوچ رہی تھی کہ سمیع کے ساتھ میں کتنا برا کرنا چاہتی ہوں؟ یونو.... بدلہ وغیرہ... تو میرا دل چاہا میں اس کا ای میل ہیک کر لوں اور اس کے سارے راز پڑھ کے دنیا کے سامنے کھول دوں مگر پھر...'' اس نے شرارت سے چٹکی بجائی۔ ''مجھے یہ خیال آیا کہ میری طرح کتنے لوگ اپنے ایکس کا ای میل ہیک کرنا چاہتے ہوں گے؟ بس پھر کیا تھا... میں نے ایک فیک فیس بک آئی ڈی سے اشتہار لکھا اور ایسے پیجز پہ لگا دیا کہ اتنے پیسے دو اور اپنے ایکس کا اکاؤنٹ ہیک کروالو۔ داتن' دو دن میں پانچ لوگ آ گئے جو اپنے ایکس کی ای میلز پڑھنا چاہتے ہیں۔''

''وہ تمہیں کبھی بھی پیسے نہیں دیں گے' کیونکہ تم ہیک کر ہی نہیں سکتیں۔''

وہ گھوم کے اس کے سامنے آئی اور مسکرا کے بولی۔ ''ارجنٹینا' یوراگوئے اور امریکہ سے چار لوگوں نے پیسے ایڈوانس بھیج دیے ہیں'

صرف پچاس ڈالر تو ایڈوانس مانگے تھے میں نے۔ پانچواں عقلمند تھا' پہلے ایڈوانس کے جھانسے میں نہیں آیا۔''

''اور باقی کے پچاس ڈالر؟''

''یہی تو اسکام ہے اصل۔ ایڈوانس اچھا معاوضہ لے لو اور پھر اس کی ای میلز کا جواب ہی نہ دو۔ پچاس ڈالر سے وہ غریب نہیں ہو جائے گا' مگر ہم ضرور ایک کرایے کا مکان افورڈ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ وہ کسی بھی طرح ہمیں نہیں پکڑ سکتے۔ پیسے کلیکٹ کرنے والی سروس پہ نام بھی غلط دیا ہے میں نے۔'' وہ اس کے ساتھ آ بیٹھی اور جوش سے بتانے لگی۔

داتن نے گہری سانس لی۔ ''تالیہ.... میں تمہارے ساتھ ہوں' مگر یہ یاد رکھنا کہ ایک دفعہ ہم اس راستے پہ چل پڑے تو کبھی واپس نہیں آ سکیں گے۔ ابھی بھی وقت ہے' سوچ لو۔''

''بس کچھ عرصے کے لئے میں یہ چھوٹے چھوٹے اسکام کرنا چاہتی ہوں' پھر چھوڑ دوں گی۔ ایک گھر' گاڑی بنالوں' اچھا کاروبار سیٹ ہو جائے' پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں رہے گی اور ہم کوئی ان سیاستدانوں کی طرح غریب عوام سے لوٹ مار تھوڑی کر رہے ہیں؟'' اس نے ہاتھ سے سڑک کی طرف اشارہ کیا جہاں مرکزی شاہراہ پہ بل بورڈ لگا تھا جس پہ وان فاتح کی تصویر آویزاں تھی۔ سوٹ میں ملبوس وہ ہاتھ بلند کیے ہوئے تھا۔ مسکراتا ہوا روشن چہرہ جس کے ساتھ چند حمایتی نعرے درج تھے۔

''میں صرف ان لوگوں سے چند ڈالر لوٹ رہی ہوں جو کسی دوسرے کے ساتھ برا کرنا چاہتے ہیں' یعنی ای میل ہیک کروانا۔ وہ میرے خلاف پولیس میں نہیں جا سکتے کیونکہ جرم کے ارادے میں خود پکڑے جائیں گے۔ اور اگر وہ اپنے پیسے کی حفاظت نہیں کر سکتے تو وہ اس پیسے کی ملکیت کے اہل ہی نہیں ہیں۔'' وہ جذباتی انداز میں دلائل دے رہی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں تالیہ.... لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم اس کام کو کبھی چھوڑ نہیں پائیں گے۔''

''وقت آنے پہ دیکھیں گے داتن۔ میں پارلر جا رہی ہوں۔ میری شفٹ کا وقت ہونے والا ہے۔ تمہاری بریک بھی ختم ہونے والی ہے۔ آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔'' وہ مسکرا کے اٹھی' بیگ کندھے پہ لیا تو داتن پیچھے سے بولی۔

''تمہارے ماں باپ.... تمہارا خاندان.... وہ تو ملے تھے نا.... ملائیشیاء کے رہائشی.... کیا تم ان کو ڈھونڈنا نہیں چاہتی؟''

تالیہ رک گئی۔ لمحے بھر کے لئے بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر آہستہ سے مڑی تو داتن نے دیکھا' نہ وہ پریشان ہوئی تھی نہ جذباتی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی۔

''انہوں نے مجھے بچپن میں ہی چھوڑ دیا۔ کوئی مجھے لینے نہیں آیا۔ میں چڑیا کا چھوٹا سا بچہ تھی جس کو انہوں نے گھونسلے سے گرایا تو دوبارہ اٹھانے کا خیال تک نہ آیا۔ میں یتیم خانے میں رہی' میں ایک فوسٹر فیملی کے پاس ملازموں کی طرح بڑی ہوئی جہاں مجھے روٹی اور پاکٹ منی کے لئے چوری کرنی پڑتی تھی' سزا سے بچنے کے لئے برووقت جھوٹی کہانی گھڑنی پڑتی تھی۔ میں نے خود ہی اڑنا سیکھ لیا' اب میں اس گھونسلے کو تلاش کر کے کیا کروں گی داتن جو میرے خوابوں سے بہت چھوٹا' بہت پیچھے رہ گیا ہے؟'' آخر میں مسکرائی تو آنکھوں میں نمی تھی۔ پھر وہ پلٹ

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

گئی اور سر جھکائے آگے بڑھتی گئی۔

سڑک پہ آ کے اس نے ایک نظر بھی اس بل بورڈ کو نہیں دیکھا' بلکہ بس یونہی قدم اٹھاتی رہی۔ کنارے پہ اسٹالز لگے تھے۔ کتابوں' اخباروں اور پھولوں کے۔ ایک اسٹال کے سامنے وہ رکی۔ وہاں سفید پھولوں کے گول تاج بنے پڑے تھے جو قدیم زمانوں میں شاہزادیاں اپنے سروں پہ پہنا کرتی تھیں۔ تالیہ کے لبوں پہ مانوس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے ایک تاج اٹھایا اور آگے آئی.... اسٹال کے وسط میں بڑا سا آئینہ لگا تھا۔ تالیہ نے تاج سر پہ رکھ کے آئینے میں دیکھا۔ وہ کسی شاہزادی کی طرح لگنے لگی تھی۔ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

نظر موڑی تو سامنے اخبار سجے دکھائی دیے۔ اس نے عادتاً نوکری کے اشتہار کے لئے اخبار اٹھایا اور تہہ کھولی۔ سامنے ہی وان فاتح کی تصویر تھی اور اس کے ساتھ انگریزی میں چھپا اس کا انٹرویو۔

سر پہ تاج پہنے کھڑی لڑکی رک کے ان الفاظ کو پڑھنے لگی۔

''دو برس قبل پہلی دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے والے وان فاتح بن رامزل سے جب ہم نے پوچھا کہ وہ ملائیشیاء میں کس قسم کی بہتری دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا جواب روایتی سیاستدانوں سے ہٹ کے تھا۔

''میں جس ملائیشیاء کا خواب دیکھتا ہوں....'' اکتالیس سالہ ممبر پارلیمنٹ اور سابق امریکی اسٹیٹ اٹارنی مسکرا کے ہمیں بتانے لگے۔ ''وہاں لوگ حلال گوشت خریدنے سے زیادہ حلال کمائی کا دھیان رکھنے والے بنیں گے۔ کیونکہ بظاہر ہم نے بہت ترقی کی ہے۔ اعلیٰ تعلیم اور نوکریاں.... خوبصورت سڑکیں' اونچی عمارتیں اور بے پناہ ٹوارزم تو ہم نے اپنی قوم کو دے دیا ہے مگر ہم اپنی وہ اقدار بھولتے جا رہے ہیں جن کے بغیر کوئی مسلمان مکمل نہیں ہوتا۔ دو چیزیں....'' انہوں نے ہمیں انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی گویا یہ ان کے نزدیک فتح کی واحد وجوہات تھیں.....

''دو چیزیں ہوتی ہیں جو کسی بھی انسان کو دنیا اور آخرت میں کامیاب کرتی ہیں۔ سچائی اور ایمانداری۔ اور ملائیشیاء کے لوگوں کو اور سیاستدانوں کو یہ بات وقت پہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اگر وہ اپنے معاملات میں سچے نہیں ہوں گے' پیسے کمانے کے لئے ایماندار ذرائع استعمال نہیں کریں گے تو وہ فراموش کر دیں اس بات کو کہ ان کے رزق میں اور زندگیوں میں اللہ کوئی برکت دے گا۔ ان کی لالچ بڑھتی جائے گی اور وہ کبھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ وہ جتنے عقلمند اور شاطر ہو جائیں' اپنے جھوٹ کھلنے کا خوف ان کو کبھی بہادر نہیں بننے دے گا۔ اب آپ صوفیہ رحمٰن کی مثال لے لیں' محترمہ نے دو دفعہ.....''

تالیہ نے اخبار نیچے کر دیا۔ سر اٹھا کے آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ تاج ویسے ہی کھلا کھلا سا لگ رہا تھا مگر آنکھوں میں اداس سا ہیجان تھا۔

''آپ کو کیا چاہیے؟'' دکاندار اس کو چناؤ کا کہہ رہا تھا۔ ''اخبار یا تاج.... یا دونوں؟''

''دونوں ایک ساتھ ایک دل میں نہیں رہ سکتے۔'' وہ بڑبڑائی۔ پہلے اپنے عکس کو دیکھا' پھر اخبار کو۔ چند ثانیے کے لئے اس نے سوچا۔ پھر اخبار ڈھیرے سے واپس اسٹال پہ ڈال دیا۔ ''مجھے یہ تاج چاہیے۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتی۔'' بٹوے سے چند نوٹ نکالے اور سنجیدگی سے دکاندار کی طرف بڑھائے۔ اس نے چناؤ کر لیا تھا....

مگر آج رات شہر کی بارونق گیلی سڑک کے کنارے چلتے ہوئے وہ عجیب اداسی کا شکار ہو رہی تھی۔

اس سارے راستے میں ...تخت وتاج کی تگ ودو میں ....وہ گھونسلہ تو بھول ہی گیا تھا جس سے وہ گری تھی۔ بچپن میں ان سے شکوہ ہوتا تھا...نوعمری میں نفرت ہوتی گئی جو پھر بےزاری میں بدل کے آخر میں اپنی ہر حیثیت کھو بیٹھی۔ جیسے برف کو پکڑے پکڑے انگلیاں سُن ہو جاتی ہیں۔ ان کی طرف سے تالیہ کا دل بھی سُن ہو گیا تھا۔ بےحس۔

مگر آج اس نے اپنے بابا کو دیکھا تھا...وہ چابی تیار کر رہے تھے اور دل نے کہا تھا کہ اس رشتے میں تخت وتاج سے زیادہ کشش تھی۔ وہ مشکل میں تھے۔ کسی ایسی مشکل میں جس کے باعث وہ اسے بچانے نہیں آسکے تھے۔ وہ بھی تو ان کو بچانے نہیں گئی۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ کوئی ایسے بھی بھولا کرتا ہے کیا؟

سڑک کے وسط میں پھولوں کی چوڑی سی باڑ بنی تھی جو دونوں اطراف کی سڑکوں کو کاٹ رہی تھی۔ وہ اس کے سرے پہ سخت جگہ پہ بیٹھ گئی اور چہرہ ہتھیلیوں میں گرا دیا۔

''میرا بھی کوئی گھر تھا۔'' بےخودی کے عالم میں خالی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ ''میرا کوئی خاندان تھا....یا شاید اب بھی ہو....'' وہ چونکی۔ ''سترہ برس ہی تو گزرے تھے۔ خاندان والے زندہ ہوں گے' اگر اس مشکل سے نکل آئے ہوں تب۔'' دل کو دھڑ کا لگا تھا۔ ''مگر گاؤں....وہ گاؤں والے۔ جانے کتنے برس انہوں نے میرا انتظار کیا ہو' اور شاید اب تک کر رہے ہوں۔'' ایک دم وہ بےچینی سے اٹھی اور ادھر ادھر دیکھا۔

وہ شاہراہ کے وسط میں پھولوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اردگرد چاروں طرف سڑکیں جاتی دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ایڑیوں پہ پوری گول گھومی۔ کون سا راستہ اس کا تھا' کچھ معلوم نہ تھا۔

''مجھے اپنے خوابوں کو سمجھنا ہے....مجھے اس سکے کو ڈھونڈنا ہے....مجھے چابی کو مکمل کرنا ہے....'' ٹریفک کے رش اور شور میں وہ زور سے خود سے بولی تھی۔

''مجھے اس چابی کے ذریعے تاشہ کا خزانہ ڈھونڈنا ہے اور پھر اس خزانے سے اپنے گاؤں اور اپنے خاندان والوں کی مدد کرنی ہے۔ وان فاتح کہتا ہے کہ میری کامیابیاں کیا ہیں؟ میں اسے بتانا چاہتی ہوں کہ میں چور اور جھوٹی سہی' میں بہت بری سہی' مگر اچھے لوگوں کے ساتھ برے ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے اپنے گاؤں کو ڈھونڈنا ہے۔ مجھے اپنے خوابوں کا تعاقب کرنا ہے۔''

بالآخر اسے منزل نظر آنے لگی تھی....ایک مقصد....ایک ٹارگٹ....

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

ایک عزم کے ساتھ اس نے ہُڈ چہرے پہ گرائی' جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور اٹھ کے سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ اب اس کا ذہن پرسکون اور رخ گھر کی جانب تھا.....

آج اس نے پھولوں کو دیکھا تک نہیں تھا۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ بھی بارش تھم چکی تھی۔ سارا گھر پانی سے نہایا ہوا تھا۔ ایسے میں وہ ابھی تک اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ پیچھے کو ٹیک لگائے' وہ بظاہر پرسکون لگ رہا تھا۔ مگر جیسے کھڑکی کے شیشے پہ گدلے پانی کی لڑیوں کے نشان جم گئے تھے' اس کی سوچیں بھی ایسی ہی دھندلی ہو رہی تھیں۔

(میرا اگلا کارڈ کیا ہوگا؟ مگر میرے پاس کوئی کارڈ بچا ہے؟) اس نے سر جھٹکا۔

خیر' کارڈ بہت سے ہوتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے سامنے کبھی نہیں جھکا۔ کوئی وان فاتح کو کنٹرول نہیں کر سکتا۔ نہ پہلے کر سکا ہے۔ اشعر کے ساتھ بھلے ساری دنیا آ کھڑی ہو' مجھے گرا نہیں سکتا وہ۔ ہارتے وہ ہیں جو ہار مان لیتے ہیں۔

اشعر سمجھتا ہے' جدوجہد کے لئے.....سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لئے.....بے پناہ پیسہ اور تعلقات ضروری ہیں.....سالوں کی محنت' لوگوں کو خوش کرنا اور اشتہار بازی کی مہم.....یہ سب انسان کو مقصد تک لے جاتی ہیں۔ ایش نہیں جانتا کہ عظیم مقاصد کے لئے عظیم قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں۔ میں نے اس سفر میں آریانہ کو کھویا ہے۔ اشعر نے کیا کھویا ہے؟

اس نے میز کے کنارے رکھا فوٹو فریم اٹھایا۔ اس میں ننھی آریانہ ہیلمٹ پہنے گھوڑے پہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ ہنستے ہوئے تھوڑی اٹھی ہوئی تھی اور سامنے سے دو دانتوں کا خلاء دکھائی دے رہا تھا۔ یہ اس دن کی تصویر تھی جب آریانہ کھوئی تھی۔

اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آریانہ کے ساتھ اس روز کیا بیتی تھی.....عصرہ بھی نہیں.....

سوائے وان فاتح کے.....کوئی نہیں جانتا تھا.....

دل کے اس کونے میں جہاں پہلی اولاد کے نام کا خانہ ساری عمر کے لئے وقف ہو جاتا ہے' بہت ڈھیر سارا درد اٹھا تھا۔ اس خانے کو کوئی پُر نہیں کر سکتا۔ اولاد چلی جائے تو بھی وہ خانہ ویران' سوگوار رہتا ہے۔ کسی بھی قسم کی خانہ پُری کا انتظار کیے بغیر۔ صبر بھی آ جاتا ہے' ڈپریشن کا فیز بھی نکل جاتا ہے.....آدمی مضبوط ہو کر آگے بھی بڑھ جاتا ہے.....مگر رات کو سونے سے پہلے.....نیند کی وادی میں ڈوبنے سے پہلے.....پلک جھپکنے سے پہلے.....وہ خانہ ہر رات پکارتا ہے.....وہ غم کبھی نہیں جاتا.....شکل بدل جاتی ہے' کیفیت ڈھل جاتی ہے.....مگر واللہ وہ غم ساتھ نہیں چھوڑتا.....

''اگر میں اب ہار مان گیا تو سمجھو آریانہ کی قربانی رائیگاں گئی!'' پھر اس نے گہری سانس لی...فریم واپس رکھا اور موبائل اٹھایا۔

چند لمحے بعد وہ فون کان سے لگائے جب یہ الفاظ ادا کر رہا تھا تو چہرے کی مسکراہٹ سچی اور اطمینان اصلی تھا۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''عبداللطیف ....میں نے ...'' (ذرا سے شانے اچکائے) اشعر کے تالاب میں کنکر پھینکے ہیں اور وہ کنکر کافی بڑے ہیں۔نہیں' پریشانی کس بات کی؟''

وہ ہلکا سا ہنسا۔''تمہیں معلوم ہے' سیاست تھرل کے ساتھ اور بھی دلچسپ ہو جاتی ہے۔تم اگلے کچھ دن کے واقعات بہت انجوائے کرو گے۔'' پھر دوسری طرف کچھ سن کے رکا اور سوچتے ہوئے چہرے کی لو کو انگلی سے رگڑا۔

''میں صرف اشعر کو مصروف کر رہا ہوں۔فاتح دنیا کو مثبت سوچ سے دیکھتا ہے....مجھے تو اپنا اور ملائیشیاء کا مستقبل بہت روشن نظر آ رہا ہے....وہ جتنی چالیں چل لیں' میرے ہاتھ کوئی نیا کارڈ لگ ہی جائے گا۔فی الحال میں صرف ایک جگہ مار کھا سکتا ہوں' اور وہ ہے فنڈز کی کمی۔مجھے پیسے چاہیے ہیں۔نہیں' میں امیر دوستوں کے عطیات قبول نہیں کر سکتا۔نہ قرض لینا چاہتا ہوں۔نہیں مجھے اپنی بیوی کے پیسے بھی نہیں چاہیے ہیں۔میں ملاکہ والا گھر بیچنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ہاں' اس بارے میں کوشش کرو۔'' وہ عبداللطیف کا جواب سن کے ہنسا۔''نادر اور قیمتی ہے تو کیا ہوا؟ میرے باپ کا گھر ہے' مجھے وہ بیچنا ہی پڑے گا...سوائے اس صورت میں کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ جائے میرے جو پارٹی چیئر مین الیکشن کا مسئلہ حل کر دے۔ورنہ کل سے ہم اس گھر کو بیچنے کی تیاری کریں گے۔'' مطمئن اور روشن آنکھوں کے ساتھ وہ ٹیک لگائے' خوشگوار انداز اور بےفکری سے مستقبل کا لائحہ عمل طے کر رہا تھا.....

☆☆=========☆☆

اپنے اندھیر کمرے میں بیٹھا ایڈم ابھی تک یونیفارم کو اداس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ایڈم فاطمہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس نے تکلیف سے خود سے کہا تھا۔''وہ واحد لڑکی ہے جس سے میری برسوں سے جذباتی وابستگی ہے۔مگر ایڈم اس کو نہیں چھوڑے گا۔'' اس نے بند مٹھی سے آنکھیں رگڑیں۔''ایڈم محنت کرے گا...لیکن...'' ایک دفعہ پھر مایوسی اس کے اردگرد ڈیرا ڈالنے لگی۔''ایک گھر اور کاروبار سیٹ کرنے کے لئے مجھے نوکری نہیں بلکہ....کوئی...کوئی خزانہ چاہیے....اور خزانے ہم جیسوں کے ہاتھ نہیں لگا کرتے۔''

☆☆=========☆☆

سڑک کنارے وہ ہڈ سر پہ گرائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز تیز چلتی گھر واپس جا رہی تھی....لبوں پہ بالآخر پرجوش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں پرانی چمک۔''میرے سارے خواب پورے ہو جائیں گے۔ جزیرے کے اوپر پہاڑی کی چوٹی پہ محل....ڈھیروں دولت....اور....اپنے خاندان اور گاؤں والوں کی مدد کرنا...اور اس کے لئے مجھے کہیں دفن وہ خزانہ ڈھونڈنا ہے جو اس سنہری چابی سے کھلے گا...خزانہ صرف میرا ہے کیونکہ صرف میں جانتی ہوں کہ کوئی خزانہ Exist کرتا ہے...تاشہ کا خزانہ صرف میرا ہے!''

وہ مسکرا کے سوچتی ہوئی قدم اٹھا رہی تھی.....

کوالالمپور پہ اتری روشنیوں سے منور رات اسی طرح بھیگتی جا رہی تھی.....

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

☆☆=========☆☆
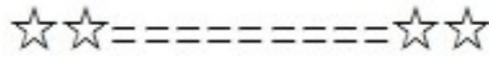
اگلی صبح کی روشنی جب پھیلی تو سورج نے وان فاتح کی رہائشگاہ کے لان میں ایڈم کو سوچ میں ڈوبا بیٹھے دیکھا۔ وہ گاہے بگاہے کلائی پہ بندھی گھڑی بھی دیکھتا کیونکہ فاتح کے جاگنگ سے واپس آنے پہ اس کو الرٹ ہو جانا تھا۔ کچن میں ملازموں کی ٹھک ٹھوک شروع ہو چکی تھی۔ اندر یقیناً بچے اور عصرہ ناشتہ کر رہے تھے۔

تبھی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔ مگر نوارد فاتح نہیں تھا۔

پرس کہنی پہ ڈالے وہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ سنہرے بال اونچی پونی میں باندھے' سن گلاسز سر پہ ٹکائے' وہ سفید پینٹ کے اوپر گھٹنوں تک آتی فراک نما شرٹ میں ملبوس تھی جو ملے لڑکیاں شوق سے پہنتی تھیں۔ مسکراتی ہوئی چیونگم چباتی اب وہ گارڈ سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ ایڈم کے ابرو بھنچ گئے۔ (یہ یہاں اتنی صبح کیسے؟)

مگر گارڈ اس کی آمد سے باخبر دکھائی دیتا تھا' اس لئے اس کو اندر لے آیا۔ وہ مسکرا کے آگے بڑھی۔ پورچ کے وسط تک پہنچی کہ دروازہ کھلا اور اندر سے عصرہ آتی دکھائی دی۔ دونوں بچے اس کے ساتھ تھے۔ اسکول کے لئے تیار۔ عصرہ خود بھی کوٹ اسکرٹ پہنے' گردن میں موتیوں کی لڑی' اور بالوں کا جوڑا باندھے تیار لگ رہی تھی۔ تالیہ کو دیکھ کے ایک دم رکی۔ آنکھوں میں جیسے ''اوہ'' والے تاثرات ابھرے۔

''تالیہ... تم آ گئیں۔'' انداز کو معذرت خواہانہ بناتے ہوئے وہ تیزی سے اس کی طرف آئی۔

تالیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''السلام علیکم مسز عصرہ... آپ کہیں جا رہی ہیں؟ مجھے لگا آپ نے رات ڈنر پہ میرے فیور مانگنے کو سنجیدگی سے لیا تھا۔'' وہ اداس ہو گئی تھی۔ چہرہ بجھ گیا۔

''سنجیدگی سے لیا تھا تو ہامی بھری تھی کہ تم میرا پورٹریٹ بناؤ گی جس کو ہم نیلامی پہ رکھیں گے۔'' وہ نرمی سے کہتی اس کے مقابل آ رکی۔ ''مگر میرے بچوں کی ہنگامی پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کی کال آ گئی ہے۔ صرف تھوڑی دیر کے لئے مجھے جانا ہوگا۔''

تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ مایوس نظر آنے لگی تھی۔ ''میں اسے کوئی کیمپین پرامس سمجھوں پھر مسز عصرہ؟''

(الیکشن سے پہلے مہم کے دوران کیے گئے وعدوں کو کیمپین پرامس کہا جاتا ہے جو اکثر یہ کہہ کے پورے نہیں کیے جاتے کہ وہ محض کیمپین پرامس تھے اور صرف کیمپین کے لئے کیے گئے تھے۔)

''ہرگز نہیں تالیہ۔'' خوشدلی سے مسکراتے ہوئے عصرہ نے اسے تسلی دی۔ ''میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔ تم تب تک خود کو گھر میں کمفرٹیبل کر لو اور اپنا پینٹنگ کا سامان سیٹ کر لو۔''

''اوکے!'' تالیہ جیسے اداسی سے مسکرائی۔ عصرہ کار کی طرف آئی تو اس نے پکارا۔

''کیا میں آپ کا پورٹریٹ بنانے کے لئے اپنی مرضی کی جگہ ڈھونڈ سکتی ہوں گھر میں؟'' ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا' عصرہ نے بیٹھتے بیٹھتے مسکرا کے ''شیور'' کہا اور سن گلاسز آنکھوں پہ لگائے۔ بچوں نے کار میں بیٹھتے وقت تالیہ کو مانوسیت بھری مسکراہٹوں سے ہاتھ ہلایا تو

اس نے بھی مسکرا کے جواباً بازو لہرا دیا۔ کارزن سے باہر نکل گئی اور تالیہ ان کو جاتے دیکھتی رہی۔

ادھر کار گیٹ سے نکلی' ادھر وہ ایڑھیوں پہ گھومی اور تحکم سے لان میں کھڑے ایڈم کو انگلی سے اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔

''تم .... ادھر آؤ!'' وہ پورچ میں کھڑی تھی۔ ایڈم لان میں تھا۔ پھر رات میں وہ اس کی حقیقت سے بھی واقف ہو چکا تھا کہ وہ جھوٹی لڑکی تھی۔ پھر بھی اتنے فاصلے اور دل کے میل کے باوجود کوئی رعب سا تھا اس میں جو وہ تابعداری سے چلا آیا۔

''جی' چے تالیہ۔''

''میری کار کی بیک سیٹ پہ جو باکسز رکھے ہیں' وہ لے کر میرے ساتھ آؤ اور کار کو اندر پارک کر دو۔'' کار کی چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''مگر میں وان فاتح کے انتظار میں بیٹھا تھا' ان کو فوراً کچھ چاہیے ہوتا ہے اور .....''

''باکسز کے اوپر ایک پاؤچ میں برشز ہوں گے' وہ لانا مت بھولنا۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ گھوم گئی۔

ایڈم کو برا نہیں لگا۔ حالانکہ لگنا چاہیے تھا۔ کوئی بھی امیر زادی اور اوپر سے یہ طرحدار لڑکی جو روپ بدل کے آئی کھڑی تھی' اسے یوں حکم دے گی تو وہ لازمی برا منائے گا مگر اس نے نہیں منایا۔ کچھ تھا جو اس امیر زادی میں جو اس کے اوپر چڑھے ملمع کے باوجود فطری اور عام لوگوں جیسا تھا۔ ایڈم نے چابی تھام لی اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔

(مگر آج میں فاتح صاحب سے ضرور بات کروں گا۔ جو بھی ہے' اس لڑکی کا پول کھلنا چاہیے۔)

ایڈم سامان اٹھائے اندر آیا تو وہ ڈرائینگ روم میں بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ جوس پیتے ہوئے' گردن پھیر پھیر کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی جس سے اس کی اونچی پونی جھول رہی تھی۔ ایڈم نے چیزیں سامنے دھر دیں۔ تالیہ آگے کو جھکی اور ایک نیلا شاپنگ بیگ اٹھایا جس میں سے کچھ کپڑے جھلک رہے تھے۔

''یہ تم لے جاؤ۔'' وہ چونکا۔ پھر حیرت سے بیگ کو دیکھا۔

''میں اس کا کیا کروں گا' چے تالیہ؟''

تالیہ نے جوس کا گھونٹ بھر کے گلاس نیچے کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔ ''نور کو دے دینا۔ کہنا تالیہ نے بھیجا ہے پاکستان سے۔ اب جو وعدہ اس سے کر آئے ہو' اس کو سچا تو ثابت کرنا ہوگا نا۔''

اور ایڈم بن محمد برف کا بت بن گیا۔ ہکا بکا۔ شل۔ گویا سانس تک رک گیا ہو۔ (اس کو اتنی جلدی کیسے پتہ چل گیا؟)

''اوہ پور تھنگ ..... چچ چچ ....'' تالیہ افسوس سے سر ہلا رہی تھی۔ ''تمہیں لگا تھا تم جیسن بورن بن کے وہاں جاؤ گے اور مجھے معلوم نہیں ہو گا؟ میری دو آنکھیں میری گردن کے پیچھے بھی لگی ہیں ایڈم۔ میرے بارے میں سوال مجھ سے پوچھو تو زیادہ بہتر ہو گا۔'' جوس کا گلاس رکھ کے وہ اٹھی اور مسکرا کے شل ہوئے ایڈم کو دیکھا۔ ''اور سنو ..... کوئی بھی بے وقوفی کرنے سے پہلے میری طرف کی کہانی ضرور سن لینا۔ یہ نہ ہو کہ بعد

میں تمہیں وان فاتح کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ میری بات کے مقابلے میں تمہاری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی' یہ یاد رکھنا۔ باتھ روم کس طرف ہے؟''

شل سے کھڑے ایڈم نے میکانکی انداز میں کونے میں بنے گیسٹ روم کی طرف اشارہ کیا تو تالیہ سیدھی اس طرف چلی گئی۔

''عصرہ کی میٹنگ والی ٹرک کام کر گئی۔'' کچھ دیر بعد وہ سنک کے سامنے کھڑی اپنے عکس کو دیکھتی فون پہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے کہا تھا' دو چار مائیں اسکول فون کر کے کہیں گی کہ عصرہ کا بیٹا کلاس میں سیاسی پمفلٹ تقسیم کر رہا ہے تو صبح صبح عصرہ کو بلوالیا جائے گا۔''

''پکا کام کیا ہے۔ گھنٹے سے پہلے عصرہ بیگم فارغ نہیں ہوں گی۔ تم تب تک سکے کو ڈھونڈلو اور سنو۔'' داتن ساتھ میں کچھ کھا بھی رہی تھی۔ ایک دم یاد آنے پہ بولی۔ ''ایڈم کا کچھ کیا؟ میں نے تمہیں بتایا تھا' میرے آدمی نے کہا ہے کہ وہ رات میں ....''

''ہاں' اس کو میں نے الجھا دیا ہے۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے امید ہے مجھ سے بات کرے گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''کیونکہ کچھ لوگ لیڈ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ کچھ لیڈ ہونے کے لئے۔ ایڈم دوسری طرح کے لوگوں میں سے ہے۔ تم بتاؤ' وائی فائی کو جام کر دیا؟'' وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں۔ میں گھر سے ذرا فاصلے پہ ہی ہوں۔ وائی فائی جام ہو چکا ہے۔ اب گھر کے کیمرے کام نہیں کریں گے۔''

''کیمرے صرف اینٹرنیس اور ڈرائنگ روم میں ہیں۔ پرائیویسی کے باعث ہر جگہ کیمرے نہیں لگے۔ اچھا اب میں اوپر جا رہی ہوں۔'' سرگوشی میں کہہ کے اس نے فون رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دیتی تھی۔ سر جھکا کے موبائل کے بٹن بھی دبا رہی تھی۔ مصروف اور موڈی انداز۔ اسی طرح اوپر چلی گئی اور ملازم خاموش رہے۔

فاتح کا ایک انٹرویو چند ماہ پہلے اس کی اسٹڈی میں لیا گیا تھا۔ اس کی تصویر میں فاتح کے عقب میں شیلف میں سکوں کی کلیکشن نظر آ رہی تھی۔ کسی زمانے میں شاید وہ اکٹھا کرتا ہوگا۔ اسے وہی دیکھنی تھی۔ اگر گھر میں کہیں وہ سکہ رکھ سکتے تھے تو یا کلیکشن میں سجا کے یا عصرہ کے لاکر میں چھپا کے رکھ سکتے تھے۔ یہی دو جگہیں تھیں۔

وہ اوپر آئی اور ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھتی آئی۔ ایک دروازہ کھولا تو وہ گلابی رنگ سے سجا چھوٹا کمرہ تھا۔ (جولیانہ کا کمرہ ہے یہ۔)....اس نے دروازہ بند کر دیا۔ دوسرا کھولا تو پوسٹرز اور گیمز کلیکشن سے معلوم ہو گیا کہ وہ سکندر کا تھا۔ تالیہ نے اس کو بھی احتیاط سے بند کر دیا۔ پھر وہ ٹھہری۔

راہداری کے سرے پہ ایک اور دروازہ بھی تھا۔ تجسس اور اسرار میں لپٹا۔ تالیہ کا دل یونہی دھڑکا۔ وہ آگے آئی اور ڈور ناب گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

ایک کھڑکی کا پردہ ہٹا تھا جس سے روشنی چھن کے کمرے میں گر رہی تھی۔ وہ اونچی چھت کا کھلا سا کمرہ تھا۔ نہ بے بی پنک میں رنگا' نہ کھلونوں سے سجا... اس میں اونچے بک ریک رکھے تھے جن میں کتابیں سجی تھیں۔ کتابیں..... بہت سی کتابیں....

تالیہ نے اندر قدم رکھا اور بتی جلائی۔

کمرہ بالکل صاف تھا۔ مگر لگتا تھا عرصے سے بیڈ پہ کوئی بیٹھا نہیں ہے۔ کونے میں نفاست سے سجی اسٹڈی ٹیبل۔ اس پہ لکھنے پڑھنے کا سامان۔ وہ آگے آئی۔ بک ریک کے سامنے رکی۔ گردن اٹھا کے کتابوں کی جلدیں دیکھیں۔ فیری ٹیلز۔ فینٹیسی ناولز۔ ننھے غزال کی کہانیاں۔ دیو مالائی جادوئی داستانیں۔ ایک ہزار ایک راتیں۔ (الف لیلیٰ ولیلیٰ)۔

کسی سحر میں وہ کتابوں کی جلدوں کو پڑھتی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ الماری کا پٹ کھولا تو اندر کپڑے ٹنگے تھے۔ عام نہیں۔ صرف خاص۔ پیروں تک آتی کامدار میکسیز جو کسی سات آٹھ سال کی بچی کو پوری آسکتی تھیں۔ تاج۔ موتیوں کی مالائیں۔ قدیم طرز کی شہزادیوں والے لباس اور زیورات۔

''تو آریانہ کو شہزادیاں پسند تھیں۔ اور شاید فیری ٹیلز میں رہنا بھی۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ اگر اب وہ کہیں زندہ ہے تو تیرہ چودہ سال کی ہوگی۔ پچ۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ وقت کم تھا۔ وہ احتیاط سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی تو یوں لگا' کسی گزرے زمانے کا دروازہ بند کیا ہے... جیسے کوئی عہد تمام ہوا... جیسے ماضی دفن ہو گیا.....

اسٹڈی خاموش پڑی تھی۔ گردن دائیں بائیں گھماتی' پونی جھلاتی وہ سبک قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے دیوار میں بنا اونچا شو کیس تھا۔ وسطی خانے میں اسٹینڈ کے اوپر سکے سجے تھے۔ مختلف ادوار اور حکومتوں کے سکے۔ وہ شوکیس کے شیشے کے بالکل قریب آرکی۔ ایک ایک سکے کو دیکھا۔ ان کے نشان' علامتیں پڑھیں۔ وہ سکہ نادر تھا....

اور تبھی... شوکیس کے شیشے میں عکس سا ابھرتا دکھائی دیا۔

''تم!'' وان فاتح کی برہم سی آواز سنائی دی۔ مگر وہ تالیہ تھی۔ نہ ڈری' نہ گھبرائی۔ آرام سے پلٹی اور مسکراتی نظریں ان پہ جمائیں۔

''گڈ مارننگ فاتح صاحب!''

وہ جاگنگ ٹراوزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں چھوٹا تولیہ تھا جس سے بھیگی گردن پونچھتے ہوئے پتلیاں سکیڑے ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم رات یہیں رک گئی تھیں کیا؟''

''نہیں سر... مسز عصرہ کا پورٹریٹ بنانا ہے میں نے نیلامی کے لئے۔'' وہ رسان سے مسکرا کے بتانے لگی۔ ''اسی لئے انہوں نے مجھے صبح صبح بلوایا تھا۔''

''مگر عصرہ کو تو اسکول جانا تھا۔'' وہ قدم قدم قریب آ رہا تھا۔ آنکھیں مشکوک انداز میں قدرے اکتاہٹ سے چھوٹی کر رکھی تھیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
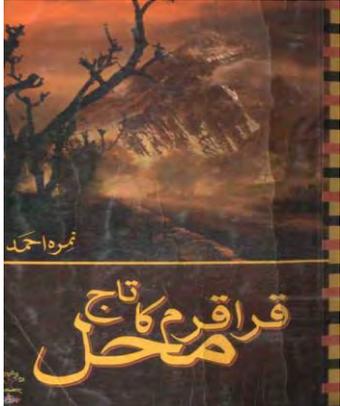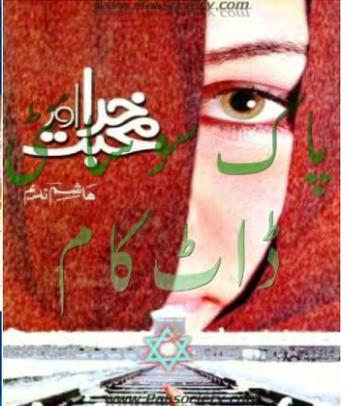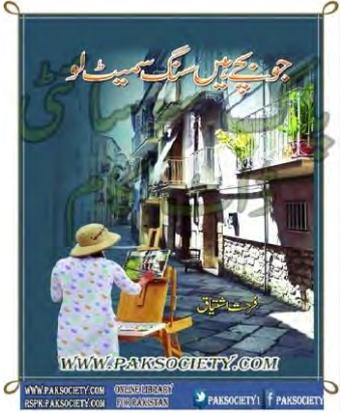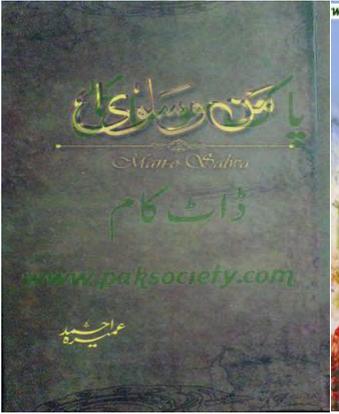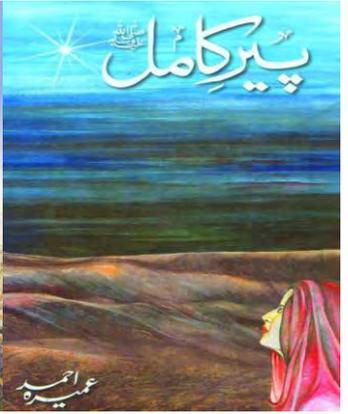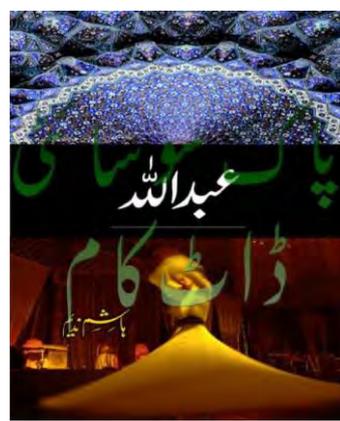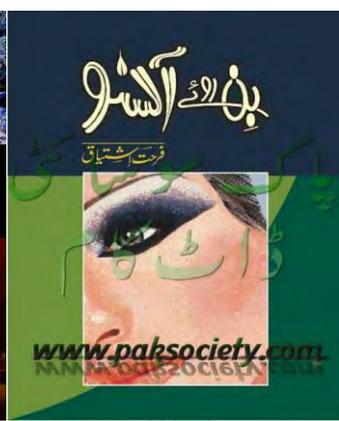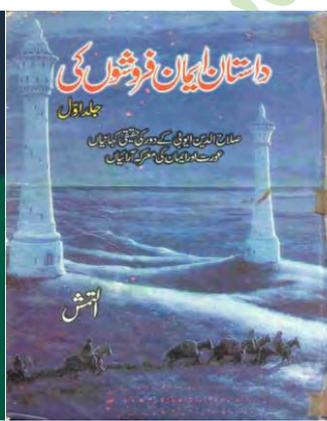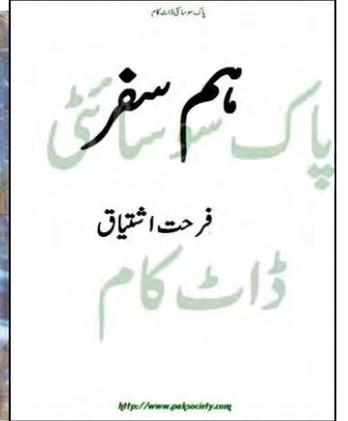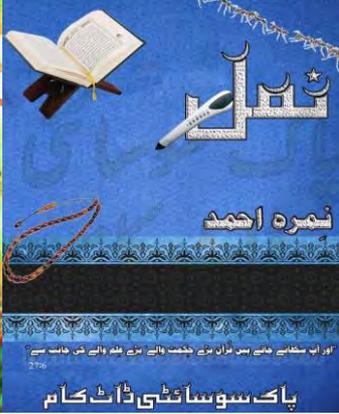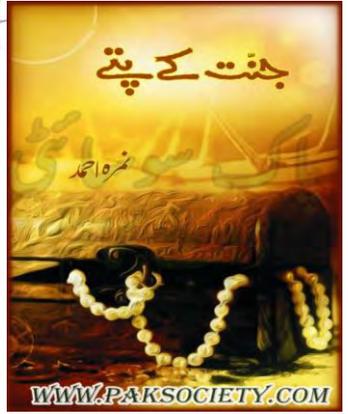
’’جی‘ اور انہوں نے واپس آنے تک مجھے پورٹریٹ کے لئے مناسب جگہ ڈھونڈنے کے لئے کہا ہے۔ میں وہی جگہ تلاش کر رہی تھی کہ آپ کی اتنی خوبصورت اسٹڈی اور یہ کلیکشن دیکھنے....‘‘

’’سے خود کو روک نہ سکی اور اندر چلی آئی۔ تم سب ہر دفعہ یہیں سے کیوں بات شروع کرتی ہو؟‘‘ فاتح نے افسوس بھری گہری سانس لے کر اس کو ٹوکا تو تالیہ ٹھٹھک کے رک گئی۔

’’جی؟‘‘

’’مجھے وقت نہیں ملتا ورنہ ضرور نوٹس کرتا‘ کہ تم نے میری بیوی کو آخر کس طرح اتنا چارم کر لیا ہے کہ اس نے تمہیں گھر میں داخل ہونے دے دیا ہے.... لیکن میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم سب لڑکیاں ہمیشہ گھر میں گھومنے پھرنے سے ہی کیوں آغاز کرتی ہو؟‘‘ ٹھنڈے انداز میں کہتے ہوئے وہ اسٹڈی ٹیبل کے دراز تک آیا اور اسے کھولا۔ پھر سر جھکائے چند فائلز نکالیں۔ تالیہ کو بات سمجھ آئی تو اس کی رنگت سرخ ہوئی۔

’’آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔‘‘

’’بالکل۔‘‘ وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے فائل کے صفحے پلٹتے ہوئے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ ’’پھر بالکل یہی فقرہ بولا جاتا ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ اس کے بعد عموماً تم میں سے کوئی رونا شروع کر دیتی ہے۔ میرے ساتھ فلاں مسئلہ ہے‘ فلاں مجھے ہراس کر رہا ہے‘ میرا فلاں کام اٹکا ہوا ہے۔‘‘ فائل پہ جھکے‘ بازو پیچھے لمبا کر کے اس نے میز سے قلم اٹھایا اور صفحے پہ کچھ انڈر لائن کیا۔ ساتھ ہی بے رحمی سے بولے جا رہا تھا۔

’’پھر اس کے بعد لڑکی اپنا نمبر چھوڑ جاتی ہے.... یا کارڈ.... اور ہاں‘ مجھے بھول گیا‘ ساتھ میں اپنی کوئی چیز بھی.... کوئی کلپ‘ کوئی ائیر رنگ.... کوئی ٹشو.... کبھی میری اسٹڈی میں.... کبھی نیچے میرے کمرے میں نظر بچا کے داخل ہو کے.... اس لئے....‘‘ نظر اٹھا کے سادگی سے اسے دیکھا۔ ’’اگر تم نے کچھ چھوڑا ہے تو ابھی لے جاؤ کیونکہ میں ایسی چیزوں کو کچرے میں پھینک دیتا ہوں‘ اور میری بیوی ان کی اتنی عادی ہے کہ وہ ایسی بے وقوف لڑکیوں پہ ہنس دیا کرتی ہے۔‘‘ قلم رکھا اور چھوٹے تولیے سے چہرہ اور گردن دوبارہ سے پونچھے۔

’’ہوں!‘‘ تالیہ نے گلابی پڑتے چہرے کے ساتھ ضبط سے ہنکارا بھرا۔ ’’آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی فینز آپ کے گھر داخل ہو کر یہ سب کرتی ہیں۔‘‘

’’اور بالکل تمہاری طرح وہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ دوسری لڑکیاں یہ کام پہلے بھی کرتی آئی ہیں۔‘‘

بولتے ہوئے وہ میز کے کنارے پہ بیٹھا اور سیل فون نکال کے فائل سے کچھ اس پہ فیڈ کرنے لگا۔

’’اور اکثر یہ لڑکیاں کسی بہانے سے مسز عصرہ سے شناسائی بنا کے آپ کے ارد گرد یہ ساری حرکتیں کرتی ہیں‘ ہوں؟‘‘ وہ لب بھینچے بدقت مسکرا کے بولی۔

''کئی سالوں سے۔ بالکل اسی طرح۔'' اس کی نظریں اسکرین پہ جھکی تھیں اور انگوٹھا ٹچ بٹنوں پہ حرکت کر رہا تھا۔

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے معدوم ہوئی۔ آنکھیں سرخ گلابی پڑنے لگی تھیں مگر وہ سیدھی کھڑی رہی' گردن کڑائے رکھی۔

''میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ یقیناً یہ سب کرتی ہوں گی۔ میں صرف اتنا پوچھوں گی وان فاتح....'' چبا چبا کے وہ زہرخند سا بولی۔ ''کہ وہ یہ سب آپ کے آس پاس اتنا کمفرٹیبل ہو کر کیسے کر لیتی ہیں؟''

فاتح نے چونک کے آنکھیں اٹھائیں۔ اسے شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی مگر وہ لڑکی اب بازو سینے پہ لپیٹے' ڈھٹائی سے بلند آواز میں بولے جا رہی تھی۔

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ اپنی بیوی سے وفادار ہیں' اور یقیناً ہوں گے۔ آپ کے بارے میں ایسی باتیں ہم نے کبھی نہیں سنیں۔ بہت سچے اور ایماندار ہیں آپ لیکن ایک بات آپ کو ماننی پڑے گی کہ آپ ان فینز کو آرام سے یہ سب کرنے دیتے ہیں۔ بے شک آپ کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ پا کر وہ پلٹنے پہ مجبور ہو جاتی ہوں گی مگر آپ....ان کو....یہ سب....کرنے دیتے ہیں کیونکہ اس سے آپ کی سیلبرٹی والی حس کو تسکین ملتی ہے۔ ہے نا؟'' تلخی سے مسکرائی تو فاتح کے ماتھے پہ برہمی سے بل پڑے مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا تالیہ نے تیزی سے بات جاری رکھی۔

''آپ نے ابھی تک صرف خوبصورت چہرے اور خالی دماغ والی لڑکیاں دیکھی ہیں جو آپ کے ارد گرد منڈلاتی رہتی ہیں اور آپ کے غرور میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس لئے اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو تالیہ مراد سے بات کرنے سے پہلے اپنے الفاظ کو خوب چن لیتی کیونکہ یہ نہ ہو کہ کسی دن گدلے پانی میں کھڑے ہو کر آپ کو اعتراف کرنا پڑے کہ آپ کو....میری....ضرورت ہے!''

تیز تیز بولتے ہوئے اس کو سانس چڑھنے لگا تھا مگر وہ کمال ضبط سے آواز کو ہموار رکھے ہوئے تھی۔ چبھتی نظریں فاتح پہ جمی تھیں جو اس کی بات پہ آنکھیں سکوڑ کے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا۔ فائل رکھی اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''مجھے صبح صبح....اپنے گھر میں....اجنبی لڑکیوں کا....یوں گھومنا پھرنا....پسند نہیں ہے....میری بیوی کی خوشامد تم ڈرائینگ روم کی حد تک بھی کر سکتی ہو۔''

''تو اپنے ملازموں سے کہیے کہ مجھے اٹھا کے باہر پھینک دیں کیونکہ میں یہاں پینٹنگ بنانے آئی ہوں' جگہ بنانے نہیں' اور اپنی مرضی کا اسپاٹ ڈھونڈے بغیر نیچے نہیں جاؤں گی۔''

وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے پلک تک نہ جھپک رہی تھی۔ فاتح نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی کی۔

''پتہ ہے میں تمہیں اتنے دن سے برداشت کیوں کر رہا ہوں؟'' اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ ''کیونکہ آریانہ....تمہیں پسند کرتی تھی' تاشہ آ گاپو وا!'' وہ واپس پیچھے ہوا۔ پھر اس کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

تالیہ چند لمحے شل کھڑی رہی۔ ''تاشہ آ گاپو وا؟'' بجلی کے کوندے کی طرح وہ نام ذہن میں لپکا اور اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

فاتح جا چکا تھا اور شاک سے نکلتے ساتھ ہی تالیہ کو اسٹڈی کی خاموشی میں اپنے کہے الفاظ کی بازگشت سنائی دینے لگی۔اس نے ایک دم دل پہ ہاتھ رکھا۔جیسے خوفزدہ اور بے یقین ہو۔

''میں نے یہ سب کہہ دیا ان سے؟ وہ وان فاتح تھے ....وہ ملائیشیاء کے محبوب وان فاتح تھے۔لوگ ان کے قدموں میں رل جانے کو تیار رہتے ہیں اور میں ....میں ذرا سی توہین برداشت نہ کر سکی۔'' رنگت سرخ ہو رہی تھی اور آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں۔

''پسند تو کرتی ہوں میں ان کو۔سب کرتے ہیں۔ہاں نہیں ہوں میں ان لڑکیوں کی طرح مگر میں بھی تو چوری کی نیت سے آئی تھی۔پھر ان کو ناراض کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ساری عمر کے لئے ان کو خود سے ناراض کر لیا۔اب تو وہ مجھے شدید ناپسند کرنے لگیں گے۔'' اپنے سر پہ اس نے بے بسی سے چپت لگائی۔''وہ وان فاتح تھے تالیہ ....ان کو روز ایسی ہی لڑکیاں ملتی ہیں ....اتنا زیادہ اکڑنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں۔خاموشی سے برداشت کر لیتیں؟ اُف تم نے کس کو ناراض کر دیا۔''

''مگر وہ مجھے ہتک سے دیکھ رہے تھے۔'' اندر کی لڑکی نے انگڑائی لی۔''اور میں ایسی ہتک کسی کی طرف سے برداشت نہیں کر سکتی۔''

کیا سچ تھا کیا جھوٹ۔اب فرق نہیں پڑتا تھا۔اس نے آنکھیں رگڑیں اور باہر نکل آئی۔عصرہ آنے والی ہوگی۔

مگر دل ابھی تک کرلا رہا تھا اور احساسِ توہین سے کان ہنوز سرخ پڑے تھے۔

☆☆=========☆☆

وہ ایک قلعہ نما بلند و بالا گھر تھا جس کے چاروں طرف وسیع سبزہ زار پھیلے تھے۔لان کے کونے میں ایک اونچا ٹیلہ تھا جس پہ لکڑی کی گول کینوپی بنی تھی۔لکڑی کے ستونوں کی مدد سے کھڑی اونچی چھتری جس کے نیچے کرسیاں بچھی تھیں۔وہاں بیٹھے افراد نشیب میں جاتے سبزہ زار اور دور واقع قلعے کا دلفریب نظارہ کر سکتے تھے۔گھاس پہ چرتے ہرن ....ایک طرف ٹہلتا کتا ....بھاگتے پھرتے خرگوش ....غرض وہاں قدرتی حسن کو بکھیرنے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔

یہ اشعر محمود کے والد محمود بن عزیزی کا گھر تھا جو اشعر کو ترکے میں ملا تھا۔

اشعر اس وقت کینوپی کی کرسی پہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک سرمئی سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر گورا چٹا چینی شخص بیٹھا تھا۔اشعر خاموشی سے مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا جو فون پہ ہدایات دے رہا تھا۔

''ہدیٰ کی اسٹوری کل تو کیا کسی بھی دن پرنٹ نہیں ہوگی۔جیسا میں نے رات میں کہا تھا' ویسے ہی کرو۔ایک مگ کے پیچھے ہم اپنے اخبار کو قانونی کیسز کی طرف نہیں دھکیل سکتے۔ہم نے ایک نسل پرست ایشو کو اٹھایا تو حکومت بھی ہمیں بیک نہیں کرے گی۔'' پھر موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا اور مسکرا کے سامنے بیٹھے اشعر کو دیکھا۔''میں مزید تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں ایش؟''

''آپ نے رات کو ہی یقین دہانی کروا کے میرے لئے سب کچھ کر دیا تھا۔اب میرے کچھ کرنے کا وقت ہے۔'' کہہ کے اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' اور ایک فائل میز پہ رکھی۔

''یہ ٹوارزم ملائیشیاء کے اشتہاروں کی تفصیلات ہیں' جو کل سے آپ کے اخبار کی زینت بنیں گے۔'' بادل زور سے گرجے اور پل بھر میں ٹپ ٹپ قطرے برسنے لگے۔

''یہ حکومتی اشتہار ہیں۔''

''اور میں اپوزیشن میں ہوں' جانتا ہوں لیکن میرے دوست ہر جگہ ہوتے ہیں۔'' چینی صاحب مسکرائے اور فائل کے صفحات دلچسپی سے پلٹنے لگے۔ اشعر نے گردن موڑ کے دیکھا۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی اور کینوپی کی چھاتا کے کناروں سے پانی نیچے لڑھک رہا تھا۔ ہرن قلانچیں بھرتے آشیانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ کتا قلعے کی طرف دوڑا۔ پل بھر میں سارا منظر جل تھل ہو گیا تھا۔

''میرا خوبصورت ملائیشیاء۔'' وہ ستائش سے مسکرایا۔ (اور یہ ملک میں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔)

''روزانہ کی بنیادوں پہ آدھے صفحے کے اشتہارات۔ وہ بھی فرنٹ پیج پہ۔ زبردست اشعر!'' اخبار مالک نے خوشگوار حیرت سے ابرو اٹھائے۔

''اور یہ سرکاری اشتہارات ہیں۔ پیسہ سرکاری خزانے سے جائے گا۔ کسی کو میرے اور آپ کے تعلق پہ شک نہیں ہوگا۔'' وہ بینچ کی پشت پہ بازو پھیلائے اطمینان سے بتا رہا تھا۔ ''لیکن آپ کو ایک اور کام بھی کرنا ہوگا۔''

چینی صاحب نے چونک کے عینک کے پیچھے سے آنکھیں اٹھائیں۔ ''اور وہ ہے؟''

''جس صحافی نے خبر لگانی چاہی تھی۔ اس کو نوکری سے نکال دیں۔''

''وہ کیوں؟'' اخبار مالک ٹھٹھک گئے۔

''کیونکہ کل کو وہ اگر کسی دوسرے اخبار کا رخ کرے تو ہم یہ کہہ سکیں کہ اس نے یہ سب صرف اور صرف اپنے چینی مالک کے خود کو نوکری سے نکالنے کی وجہ سے کیا ہے۔ تعصب' یو نو۔'' مسکرا کے ہلکے سے شانے اچکائے تو چینی صاحب کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے اور ہونٹ مسکرا اٹھے۔ ''میں سمجھ گیا۔''

اشعر نے دوبارہ سے گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ پتھریلا قلعہ بارش میں بھیگتا جا رہا تھا۔ سارے جانور' چرند پرند چھپ گئے تھے۔ تنہا بھیگتا قلعہ.....

☆☆=========☆☆

بارش نے موسم ٹھنڈا کر دیا تھا مگر وان فاتح کے لاؤنج میں پھر بھی ہلکا اے سی چل رہا تھا جیسے ہر وقت ہر جگہ ملائیشیاء میں چلتے رہتے ہیں۔ کھڑکی کے ساتھ اونچی شاہانہ کرسی پہ عصرہ بیٹھی تھی۔ روایتی لمبی سفید قمیض پہنے' نیچے نیلا اسکرٹ جسے باجو کرونگ کہتے تھے۔ (باجو قمیض اور کرونگ اسکرٹ)۔ کندھے پہ سلک کا سٹول تھا۔ بال جوڑے میں تھے۔ وہ مسکرا کے تالیہ کو دیکھ رہی تھی جو اپنا ایزل اور کینوس سامنے سیٹ کیے کھڑی تھی۔ اونچی پونی باندھے' وہ برش کا پچھلا کنارہ لبوں میں دبائے' تنقیدی پرسوچ نظروں سے عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

''ایک منٹ۔'' پھر برش رکھ کے آگے آئی اور کسی ماہر اسٹائلسٹ کی طرح عصرہ کا دوپٹہ کندھے پہ درست کرنے لگی۔ اپنی شرٹ سے بروچ اتار کے سٹول بروچ کے ذریعے عصرہ کے کندھے کے ساتھ نتھی کیا۔

''آپ کسی دوسرے کا زیور پہننا برا خیال تو نہیں کرتیں؟'' سوال پہ عصرہ مسکرا دی۔

''یہ بروچ بہت خوبصورت ہے۔''

(ہوں....یعنی۔ برا خیال کرتی ہے مگر ابھی تکلف میں برداشت کر لے گی۔ گڈ۔)

''آپ کا پورٹریٹ بہت خوبصورت ہوگا مسز عصرہ۔ مجھے نیلامی کے ڈیڑھ درجن کارڈز بھی دیجیے گا کیونکہ میں چند ملکی اور غیر ملکی آرٹ کلیکٹرز کو مدعو کرنا چاہوں گی جو ویسے تو شاید وان فاتح کا نام سن کر بھی نہ آئیں، مگر میرے کہنے پہ آ جائیں گے۔''

کنکھیوں سے فاتح کو دیکھ کے اونچا سا بولی جو تیار ہو کے اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ سیاہ سوٹ، ٹائی میں ملبوس، بالوں کو دائیں طرف پیچھے کر کے جمائے، پارٹی آفس جانے کے لیے مکمل تیار تھا۔ اپنے نام پہ ایک اچٹتی نگاہ اس طرف ڈالی جہاں اونچی سنہری پونی والی لڑکی قدرے خفگی سے عصرہ کا سٹول جوڑتے کہہ رہی تھی۔

(جیسے اس کو پرواہ تھی؟) سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گیا۔

''مسز عصرہ....اگر آپ برا نہ منائیں تو....'' وہ پیچھے ہوئی اور پھر سے تنقیدی نظروں سے عصرہ کا جائزہ لیا۔ ''موتیوں کی بجائے ڈائمنڈز پہنیں۔ موتی آپ کو سیاسی بیوی کا لک دیتے ہیں جو کہ آپ ہیں، مگر میں مسز فاتح کا پورٹریٹ نہیں بنانا چاہتی۔ میں عصرہ محمود کو پینٹ کرنا چاہتی ہوں جو ایک وکیل، ایک ماں، ایک بیوی کے علاوہ بھی اپنی پہچان رکھتی ہیں۔ آپ وہ جیولری پہنیں جو بطور ایک عورت آپ نے سب سے زیادہ دل سے خریدی ہو۔ جو عصرہ نے عصرہ کو تحفے میں دی ہو۔''

اس کی بات پہ عصرہ چونکی۔ بات دل کو لگی تھی۔ وہ مسکرا کے ''میں سمجھ گئی'' کہتی اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

فاتح لاونج سے ملحقہ ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا جہاں اس کا ناشتہ تیار تھا۔ عصرہ کے اٹھتے ہی تالیہ ''میں ذرا ہاتھ دھو لوں'' کہہ کے لاونج کے کونے میں بنے گیسٹ باتھ روم کی طرف چلی آئی۔

دروازہ بند کرتے ہی اس کے ہاتھوں میں تیزی آ گئی۔ فون نکالا، اور ہینڈز فری نتھی کر کے کانوں میں گھسائے۔ پھر بے چینی سے اسکرین کو دیکھنے لگی، جہاں عصرہ کے بروچ میں نصب ننھا کیمرہ وہ سب دکھا رہا تھا جو عصرہ دیکھ رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہونے کا انداز...پھر کیمرہ آگے بڑھتا گیا...لاکر کے پاس ٹھہر جانا...عصرہ کا ہاتھ سامنے آیا...لاکر کے پہیے کو مخصوص نمبروں پہ گھمایا (تالیہ نے ان کو زبانی یاد کیا۔ ویڈیو کلیئر تھی) لاکر کا دروازہ کھل گیا۔ اب سارا لاکر سامنے تھا۔ عصرہ نے ایک ایک ڈبہ ہٹایا۔ چند زیورات چیک کیے۔ اور ایک نیکلیس نکالا۔ لاکر اتنے اچھے طریقے سے آرگنائزڈ تھا کہ تالیہ اسکرین پہ دیکھ سکتی تھی....سکہ وہاں نہیں تھا...تالیہ کے وجود میں مایوسی پھیلنے لگی۔ وہ ہینڈز فری اتار دیتی کہ آواز سنائی دی....

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''عصرہ!'' کیمرہ گھوما (عصرہ گھومی) تو فاتح سامنے آیا۔ وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کے آیا تھا غالباً۔ چہرے سے ناخوش لگتا تھا۔ پیچھے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا' تاکہ آواز باہر نہ جائے۔

''تم ناشتہ نہیں کر رہے؟''

''یہ لڑکی کب تک ہمارے گھر میں منڈلاتی رہے گی؟ اس کو فارغ کرو۔ مجھے یہ بالکل پسند نہیں آئی۔'' اندھیر باتھ روم میں کھڑی تالیہ موبائل کی روشن اسکرین پہ فاتح کا خفا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

''کیا میں تمہارے سیاسی دوستوں کے ساتھ ایسے ہی کرتی ہوں؟''

''وہ تمہاری نئی کاروباری دوست ہے' یہاں تک ٹھیک ہے لیکن مجھے اس کا اپنے گھر یوں منڈلانا پسند نہیں آیا۔ کیا یہ وہی ہے جو یہ خود کو کہتی ہے؟'' (تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔)

''اشعر نے معلوم کروایا ہے۔ اس کی اچھی ریپوٹیشن ہے۔ کیا تم نے اس کو بتی شیخ سے نہیں سنا؟ وہ تک اس سے واقف تھے۔ اور اشعر اس کو پسند کرنے لگا ہے' میں یہ سب اس کے لئے کر رہی ہوں۔'' تالیہ مراد نے دونوں آنکھیں کھول کے اسکرین کو دیکھا۔ (کیا؟ تو سمیع جو کہہ رہا تھا وہ درست تھا؟)

''تو پھر یہ سب ایش کے گھر کرو۔ مجھے اس کا اپنے گھر میں گھومنا پھرنا پسند نہیں آ رہا۔ کچھ عجیب dishonest سا ہے اس لڑکی کے بارے میں جو مجھے کھٹک رہا ہے۔'' وہ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ عصرہ کے سانس لینے کی آواز آئی۔

''چند دن کی بات ہے' پھر ہم نے کون سا ملائیشیا میں رہنا ہے جو...''

''ہم ملائیشیا سے کہیں نہیں جا رہے عصرہ۔'' وہ سختی اور درشتی سے بولا۔ نظریں عصرہ پہ تھیں۔ کیمرے پہ۔ تالیہ کو اس کی نظریں خود پہ محسوس ہوئیں۔ ''اشعر کی باتوں سے نکل آؤ۔ میں نے اپنی بیٹی کھوئی ہے اس جدوجہد میں۔ اگر اب میں نے یہ سب چھوڑ دیا تو اس کا مطلب ہے آریانہ کو ہم نے بے مقصد ضائع کیا۔''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے فاتح۔'' عصرہ کی خشک آواز سنائی دی اور پھر کیمرہ آگے بڑھ گیا۔ عصرہ باہر آ رہی تھی۔ تالیہ نے جلدی سے ہینڈز فری کانوں سے نکالی۔

تھوڑی دیر بعد فاتح ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہا تھا۔ دروازے کھلے تھے اور سامنے لاؤنج میں ایزل پہ برش چلاتی تالیہ دکھائی دے رہی تھی۔

''کاکا'' مرکزی دروازہ کھلا اور مانوس سی آواز آئی۔ جہاں بت بنی عصرہ مسکرائی' وہیں تالیہ مراد کے اندر تلخی سی پھیل گئی' مگر بنا اثر لیے پینٹ کرتی رہی۔

اشعر اندر داخل ہوا۔ مسکراتا ہوا' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔ کوٹ غالباً کار میں چھوڑ آیا تھا۔ دور بیٹھے فاتح نے بس ایک نظر

اٹھا کے اس کے سلام کا جواب دیا اور سوپ پینے لگا۔ عصرہ البتہ مسکرا کے متوجہ ہوئی تھی۔

''آؤ ایلش! میں تمہیں ہی مس کر رہی تھی۔'' وہ آگے آیا اور تالیہ کو دیکھ کے خوشگوار حیرت سے رکا۔ ''چ تالیہ۔ السلام علیکم۔''

برش کرتی تالیہ نے نظریں کینوس پہ جمائے وعلیکم السلام کہتے ہوئے سر کو جنبش دی۔ اشعر نے اس کا انداز غور سے دیکھا مگر اثر نہیں لیا۔ وہ عصرہ کے سامنے کرسی پہ آ بیٹھا اور متفکر انداز سے بات شروع کی۔

''میں نے سوشل میڈیا پہ ویڈیو دیکھی۔ آپ کے ساتھ یتیم خانے میں کل کسی نے بدتمیزی کی؟''

عصرہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک ذہنی معذور بچہ تھا۔ جیسے کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو سچے خواب آتے ہیں، وہ بھی یہی دعویٰ کر رہا تھا۔''

برش کرتی لڑکی کی ہرنی جیسی آنکھیں چونک کے تیزی سے اس طرف اٹھیں۔ ساری دنیا تھم سی گئی۔

''مگر اس نے کیا کہا تمہیں' کاکا؟'' اشعر ہنوز فکرمند تھا۔

''پتہ نہیں۔ کچھ اول فول بول رہا تھا۔ کوئی شکار بازوں میں سے آ کر میرا شوہر مجھ سے چرا لے جائے گا تو میں اسے گھر میں نہ داخل ہونے دوں۔''

سوپ پیتا فاتح ایک دم ہنس دیا تو عصرہ بھی جھینپ کے مسکرا دی۔ اشعر کے ابرو تحیر سے بھنچ گئے اور تالیہ مراد.... اس کا سانس تک رک چکا تھا۔ وہ بالکل شل کھڑی تھی۔

''آبنگ' آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ ایسے لوگوں کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ شکایتی انداز میں سر اٹھا کے دور بیٹھے فاتح سے بولا تو وہ دوبارہ سے ہنس دیا۔

''تم ایسی باتوں پہ کب سے یقین کرنے لگے ایلش۔ نان سینس۔'' مسکرا کے سر جھٹکتے چمچ میں سوپ بھرا۔ (گزشتہ رات کی لڑائی کا شائبہ تک نہ تھا۔)

''کیا آپ اس بات پہ یقین نہیں رکھتے وان فاتح کہ لوگوں کو سچے خواب آ سکتے ہیں؟'' وہ ایک دم بولی تو فاتح نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ عصرہ اور اشعر بھی اسے دیکھنے لگے۔

''دنیا بہت عجیب ہے اور یہاں سب ممکن ہے' تاشہ... لیکن یہ تو کوئی فراڈ لگ رہا ہے۔ یونو.... اکثر لوگ اس طرح دوسروں کا ہاتھ روک کے ان کے بارے میں پیش گوئی کر کے پیسے بٹورتے ہیں۔'' سنجیدگی سے اسے دیکھ کے جواب دیا اور سوپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آپ ان باتوں کو مانتی ہیں؟'' اشعر کے استفسار پہ وہ چونکی' پھر شانے اچکا کے برش اٹھا لیا۔

''نہیں۔ کسی کو سچے خواب نہیں آیا کرتے۔ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ بس۔'' تلخی سے کہہ کر وہ پینٹ کرنے لگی تھی۔ عصرہ اسی طرح واپس مسکراتا مجسمہ بن گئی اور اشعر گہری سانس لے کر اٹھ گیا۔

''تمہارے تاثرات سے لگ رہا ہے تم نے خبر کو رکوا دیا ہے۔'' اشعر اس کے پاس میز پہ آ کے بیٹھا تو وہ سوپ میں چمچ ہلاتے ہوئے بے نیازی سے پوچھنے لگا۔

''آپ نے مجھے انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا' آ بنگ۔''

''کیا دیا تم نے اخبار کے مالک کو؟ہوں؟ اپنے بزنس کے شیئرز کم قیمت پہ فروخت کیے' یا اخبار کے شیئرز کی قیمت بڑھوانے کے لئے اسٹاک مارکیٹ میں کوئی چال چلی' یا.... آف کورس....'' فاتح نے سمجھ کے سر ہلایا۔''اشتہار.... اشتہار دیے تم نے!''

سیاستدانوں کو جب بھی کسی چینل یا اخبار میں کوئی خبر لگوانی یا رکوانی ہوتی ہے' وہ اس کو اشتہارات دے دیتے ہیں جو قومی منصوبوں کے ہوتے ہیں۔ ان کا پیسہ قومی خزانے سے اخبار مالک کو جاتا ہے' سیاستدان کو صرف دستخط کرنے ہوتے ہیں اور جہاں اخبار عام طور پہ ایک ڈالر کا اشتہار لے گا' وہاں سیاستدان پچاس ڈالر کے اشتہار پہ دستخط کر دے گا۔ اخبار مالک کو ایک کی جگہ پہ پچاس ڈالر ملیں تو وہ وہی کرے گا جو سیاستدان کہے گا۔

''مان لیجیے کہ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔'' وہ فاتح کے قریب چہرہ کر کے سرگوشی میں بولا۔ مسکراتی شاطر آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔''آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔ اور ملائیشیا ء کو جوان خون کی ضرورت ہے۔''

وان فاتح نے سوپ کا پیالہ پرے کیا اور نیپکین سے ہونٹ تھپتھپائے۔

''جب میں لاء اسکول میں تھا تو ہمارا کرمنل لاء کا ایک پروفیسر تھا۔ بوڑھا' ٹھگنا' سفید بالوں والا۔ ساری عمر اس نے قانون پڑھنے پڑھانے میں گزاری۔'' پھلوں والی پلیٹ اپنے قریب کرتے ہوئے فاتح مسکرا کے بتانے لگا۔''وہ کہتا تھا جب لوگ جرم کرتے ہیں نا' تو ان کو ان کا جرم نہیں پکڑواتا۔ ان کو ان کا خوف پکڑواتا ہے۔ وہ خوف جس کے ہاتھوں وہ اس جرم کو ڈھانکنے اور چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کوشش.... وہ کور اَپ.... اس کے خلاف سب سے بڑی گواہی بن جاتا ہے۔''

اشعر کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں سے برہمی جھلکی۔''کسی تنظیم سے نوجوانی کے دنوں میں وابستگی کوئی جرم نہیں ہے۔''

''تو پھر تم اس کو اس طرح کور کر کے جرم کیوں بنا رہے ہو' ایش؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا تھا۔

اشعر پل بھر کو سن رہ گیا۔

''اگر تم اس خبر کو چلنے دیتے' اور اس کو لاپرواہی سے ہنس کے اڑا دیتے اور قوم سے اس پہ معذرت کر لیتے تو تم لیڈر بن سکتے تھے لیکن تم نے خود ہی ایک معمولی چیز کو جرم بنا دیا۔ تم نے اخبار کے چینی مالک کو اپنی کمزوری تھما دی اور اب وہ جانتا ہو گا کہ تم سے مزید کام کیسے نکلوانے ہیں۔ تم نے یہ گیند بزنس مین کی طرح کھیلی۔ اوہ ایش!'' افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے پھل کی قاش منہ میں رکھی۔

اشعر کی رنگت متغیر ہوئی۔ آنکھوں سے چھلکتا غصہ بڑھتا گیا۔''آپ میرے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہیں؟''

''کیا؟'' وہ لاتعلقی اور بے نیازی سے کندھے جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا اور سیل فون اٹھا لیا۔ منہ میں پھل چباتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کیا اور

لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔اشعر دبے دبے غصے کے ساتھ وہیں بیٹھا رہا۔

فاتح لاؤنج سے باہر کھلتے دروازے پہ رکا....اور ایک لمحے کے لئے....ایک خودسر' بے اختیار لمحے کے لئے....اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا....وہ اونچی سنہری پونی والی لڑکی گردن ترچھی کیے....نظریں کینوس پہ جمائے....اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

فاتح آگے بڑھ گیا۔

اسی پل تالیہ نے برش روکا....اور گردن ذرا موڑی تو....باہر نکلتے آدمی کی پشت دکھائی دی۔تالیہ نے واپس عصرہ کی طرف دیکھا تو اس کے پیچھے کھڑکی کے باہر کا منظر دکھائی دیا۔وہ آگے بڑھ رہا تھا اور چھتری اٹھائے ایڈم ساتھ تھا۔

بارش ابھی تک برس جا رہی تھی۔ٹپ....ٹپ....وقت کی سوئیوں کی طرح......

☆☆=========☆☆

شیشوں سے ڈھکی تکون عمارت بھی بارش میں بھیگ رہی تھی۔اس کے اندر بنے مال میں گاہکوں کا رش اور رونق معمول کی لگی تھی۔مال سے چند منزلیں اوپر آفس فلورز بنے تھے جن میں سے ایک پہ باریسن نیشنل کے ورکرز اور سیاستدان اپنے معمول کے کام نپٹاتے دکھائی دیتے تھے۔

فاتح اپنے آفس میں میٹنگ میں تھا اور ایڈم بے کار سا باہر بیٹھا تھا۔صبح صبح تالیہ کی باتوں نے مزید الجھا دیا تھا۔مگر اس وقت زیادہ بڑی کشمکش ماں کی طرف سے ڈالی گئی تھی۔ماں نے عجیب مطالبہ سامنے رکھا تھا جس کو فاتح کے سامنے رکھتے ہوئے اس کو شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

''ایڈم!'' فاتح کا پولیٹیکل سیکرٹری عثمان چوکھٹ پہ نمودار ہوا تو وہ فوراً سیدھا کھڑا ہوا۔

''جی سر!'' جاب کے آخری تین دن رہ گئے تھے' اور وہ عثمان سے کسی قسم کی آفس پالیٹیکس میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

''میں گھر جا رہا ہوں' والدہ کی طبیعت خراب ہے۔'' اس نے بازو پہ رین کوٹ فولڈ کر کے ڈالا ہوا تھا اور خلافِ معمول نرمی سے بتا رہا تھا۔''مس فرح آئیں تو تم ان کو یہ لسٹ دے دینا' وہ اگلی میٹنگ سنبھال لیں گی۔ مجھے گھنٹہ لگ جائے گا' اچھا۔''

''شیور' سر' آپ جائیں۔ہم دیکھ لیں گے۔'' اس نے لسٹ تھامی تو عثمان تھینکس کہتا عجلت میں مڑا۔ پیچھے سے ملازم کافی کے کپ ٹرے میں سجائے لا رہا تھا۔ایک ہاتھ سے موبائل پہ ٹائپ بھی کر رہا تھا۔ایڈم بوکھلا کے ''دھیان سے'' چیخا مگر ٹکر ہو گئی۔کافی الٹ گئی۔موبائل بھی دور جا گرا۔گرم گرم مائع عثمان کے اوپر جا گرا۔سب اس کی طرف دوڑے مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

''بچت ہو گئی۔'' اس نے میز سے چند ٹشو کھینچے اور رین کوٹ پہ گری کافی صاف کی۔اس کے کپڑے بچ گئے تھے۔ایک کٹیلی نظر ملازم لڑکے پہ ڈالی جو ڈر گیا تھا مگر کچھ کہے بنا آگے بڑھ گیا۔ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔یقیناً وہ والدہ کی وجہ سے الجھا ہوا تھا اس لیے موڈ خراب نہیں کیا۔

فرح کے آتے ہی ایڈم نے لسٹ اس کے حوالے کر دی۔ وان فاتح نے اگلے دو گھنٹے کس کس سے ملنا ہے' اور کس کی کیا خاطر کرنی ہے' سب اس پہ درج تھا۔ سیاستدان کا ایک ایک منٹ ہفتہ پہلے سے پولیٹیکل سیکرٹری کی ڈائری میں جمع تفریق کے ساتھ درج ہوتا تھا۔ اگر کوئی مہمان فاتح کے پاس مقررہ وقت سے پانچ منٹ بھی اوپر بیٹھ جائے تو سیکرٹری اندر آ کے وقت کا احساس دلاتا اور فاتح کو نشست برخاست کرنی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ایڈم سوچا کرتا کہ کون کس کے تابع ہے؟ سیاستدان سیکرٹری کے' یا سیکرٹری سیاستدان کے؟

''مس فرح!'' فرح کے بیٹھتے ہی اپنی ازلی مداخلت کی عادت سے وہ باز نہ رہ سکا۔ ''سب کو چائے پیش کرنی ہے مگر یہ گیارہ بجے والے مہمانوں کی اتنی خاطر داری کیوں کرنی ہے؟''

فرح عثمان جیسی نہ تھی۔ اسکارف پہنے مستعد اور خوش اخلاق سی ملے لڑکی تھی۔ فوراً مسکرا کے سمجھداری سے بولی۔ ''کیونکہ ان لوگوں سے وان فاتح کو کام ہے' اور جن سے ہم نے مطالبے منوانے ہوتے ہیں ان کی خاطر داری کی جاتی ہے تاکہ وہ خود کو اہم سمجھیں۔''

''مگر وان فاتح کو تو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ تو ہر ایک سے بے نیاز ہوتے ہیں۔''

''کس دنیا میں رہتے ہو ایڈم؟ انہیں واقعی کسی کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ روز اتنے لوگوں سے ملاقات نہ کرتے۔ وہ ظاہر نہیں کرتے مگر ہر سیاستدان کو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو اپنی ذات کے لیے ضرورت نہ ہو تو بھی اپنی کاز کے لیے ہے۔''

اور ایڈم چونک سا گیا۔ وان فاتح اتنے بڑے بڑے کام کروا سکتے ہیں لوگوں سے' اور میں اتنا چھوٹا سا کام نہیں کہہ سکتا؟

''میں چند منٹ کے لیے اشعر صاحب کے پاس جا رہا ہوں مس فرح! مجھے ان سے کام ہے۔'' وہی درست بندہ تھا۔ وہ فرح کو بتا کر باہر نکل آیا۔ بھاگ بھاگ لفٹ پکڑی۔ نیچے آیا اور برستی بارش میں ٹیکسی پہ سوار ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اشعر کے کاروباری مرکز میں موجود تھا۔ وہ ایک اونچی عمارت تھی جس کا اٹھارواں اور انیسواں فلور اشعر کے کاروباری ہیڈ کوارٹر کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ چند روز قبل وہ فاتح کے ساتھ یہاں آیا تھا اس لئے داخلے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا۔

اشعر کے آفس روم کے باہر لابی بنی تھی جہاں لوگ صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ سیکرٹری اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ بھی کونے میں بیٹھ گیا۔ اشعر کسی میٹنگ میں تھا۔ ایڈم کو انتظار کرنا تھا۔

سامنے میز پہ اخبار میں فاتح کا انٹرویو چھپا پڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ مسکرایا اور اخبار اٹھا لیا' مگر پھر.... آنکھ کے کنارے نے کوئی شے پکڑی .....جیسے ذہن میں کوندا سا لپکا.....ایڈم نے نظریں موڑیں.....سیکرٹری کے قریب کوٹ اسٹینڈ پہ رین کوٹ لٹکا تھا۔

سفید رین کوٹ جس کے اوپر دھبے لگے تھے.....ایڈم سن رہ گیا۔ عثمان؟ ادھر؟ کیوں؟ اس کی تو ماں....؟

مگر آج اس کا سیاستدانوں کے ساتھ نواں دن تھا اور دماغ اب تیزی سے کام کرتا تھا۔ عثمان مجھے دیکھ نہ لے۔ اوہ نو۔ جلدی سے اخبار اٹھایا اور چہرے کے سامنے پھیلائے ستون کی اوٹ میں جا کھڑا ہوا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ عثمان کو چھپ کے اشعر سے ملنے جانے کی کیا ضرورت تھی؟

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

اندر آفس میں مرکزی کرسی پہ اشعر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سنجیدہ نظریں سامنے بیٹھے عثمان پہ جمی تھیں جو تابعداری سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے اور تو کوئی بات نظر نہیں آئی لیکن صبح وان فاتح اپنے کسی دوست سے ملاکہ والے گھر کی بات کر رہے تھے۔ شاید وہ اس کو بیچنا چاہتے ہیں۔''

اشعر جواب تک اکتایا بیٹھا نظر آتا تھا اس بات پہ ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ پھر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

''ملاکہ والا گھر...سن باؤ کا گھر؟'' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''سن باؤ؟'' عثمان الجھا۔ ''سن باؤ یعنی تین خزانے؟''

''وہ سن باؤ والا گھر... آبنگ اس کو بیچ کے چیئر مین کا الیکشن لڑنا چاہتا ہے؟'' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''کیا بہت قیمتی گھر ہے وہ' سر؟''

''قیمتی؟'' اشعر کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ ''وہ آبنگ کے والد کا ان کے لئے آخری تحفہ تھا۔ وہ گھر قدیم ہے۔ تاریخی ورثہ۔ صدیوں پہلے کسی چینی سفارتکار کی ملکیت تھا۔ اس کا نام پتہ نہیں کیا تھا مگر اس کو ''سن باؤ'' (تین خزانے۔ تین نگینے) کہتے تھے۔ آبنگ کے والد نے سستے داموں یہ ساری زمین لی تھی۔ کچھ عرصے بعد کا کا کو معلوم ہوا کہ یہ سن باؤ کا وئیر ہاؤس ہے جو وہ چھ سو سال پہلے استعمال کرتا تھا۔ کا کا نے اس کو احتیاط سے مرمت کروائی اور خوبصورت بنا دیا۔ تاریخی ورثے کی تصدیق بھی کروائی گئی۔ وہ گھر اگر نیلامی پہ چڑھا دیا جائے تو تاریخی نوادرات کے دیوانے امیر لوگ اس کو کروڑوں بلکہ اربوں میں خریدیں گے۔ آبنگ کو پھر پیسے کی کبھی کمی نہیں ہوگی۔'' اس نے پریشانی سے کہتے ہوئے ٹائی ڈھیلی کی۔ رنگت اڑ چکی تھی۔ وہ گھر فاتح کو عزیز تھا۔ اتنا عزیز کہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کو بھی بیچ سکتا ہے۔

''میرے لئے کیا حکم ہے سر؟''

اشعر چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر خود کو سنبھال کے بولا۔ ''تم وان فاتح کے ساتھ رہو۔ کسی سائے کی طرح۔ اس کی ہر حرکت کی خبر مجھے کرو۔ تمہیں ماہانہ اتنا پیسہ میں اسی لئے دیتا ہوں کیونکہ تمہارا اصل باس میں ہوں۔ اب جاؤ۔'' تحکم سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ موڈ خراب ہو گیا تھا۔ عثمان دروازے تک پہنچا کہ وہ بولا۔

''رکو۔'' آواز بدلی ہوئی تھی۔ عثمان چونک کے پلٹا تو دیکھا' اشعر کی آنکھوں میں چمک تھی' جیسے کچھ نیا سوچ رہا ہو۔ ''ایک کام تم آج بھی کر سکتے ہو۔''

ایڈم باہر ستون کی اوٹ میں کھڑا تھا جب اشعر کے آفس کا دروازہ کھلا۔ باہر نکل کے تیزی سے اپنا رین کوٹ اٹھانے والا عثمان ہی تھا۔ ایڈم نے اخبار مزید سامنے پھیلا لیا۔ عثمان متوجہ نہ تھا۔ وہ جلدی میں لگ رہا تھا۔ سیدھا آگے بڑھتا گیا۔

ایڈم کا ذہن شل تھا۔ وہ وان فاتح کو کیسے بتائے گا کہ نہ تالیہ مراد وہ ہے جو وہ خود کو کہتی ہے نہ عثمان اس کے ساتھ مخلص ہے۔ بیک وقت دو لوگوں پہ الزام سے تو لگے گا ایڈم خود عثمان کی جگہ لینا چاہتا ہے... مگر ماں کا کام؟ ایک نئی الجھن نے الجھنوں کے ہجوم سے سر نکالا تو وہ گہری

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

سانس لے کر رہ گیا۔ پہلے اسے ماں کا کام کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اشعر لفٹ میں سوار ہوا نیچے آ رہا تھا۔ مصروف' بے نیاز سا... لفٹ کے دروازے لابی پہ جا کر کھلے تو وہ باہر نکلا' پھر یکایک رک گیا۔ سامنے سے بارش میں بھیگتا ایڈم آتا دکھائی دے رہا تھا۔ انداز سے لگتا تھا وہ ابھی ابھی عمارت میں داخل ہوا ہے۔

''سر...'' ہانپتا کانپتا اس کے پاس پہنچا تو اشعر نے ابرو بھینچ کے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''کیا ایک چھتری تک نہیں ہے تمہارے پاس؟''

''جلدی میں تھا سر۔ عثمان صاحب کو اپنی والدہ کے پاس جانا پڑا' پیچھے وان فاتح کو اٹینڈ کرنے کے لئے کوئی نہیں ہے' مجھے جلدی واپس جانا ہے' مگر آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔''

گو کہ اشعر کو پرواہ نہ تھی کہ عثمان کو کوئی دیکھ سکتا ہے کیونکہ عثمان اپنی حفاظت کرنا جانتا تھا' مگر ایڈم کے انداز سے لگتا تھا وہ اپنی ہی دھن میں ہے۔ ناواقف۔ بے وقوف۔ اشعر نے گھڑی دیکھی اور پھر جبر اُرکتے ہوئے بولا۔ ''جلدی بولو۔''

''سر... میری والدہ کو نوکری چاہیے۔ کسی اچھے گھرانے میں ملازمہ رکھوا دیں ان کو۔ انہوں نے اصرار کیا ہے۔'' عزتِ نفس پہ پیر رکھ کے اس نے کہہ دیا۔ ''وہ صفائی' ستھرائی' گارڈننگ' سب کام جانتی ہیں۔ اور....''

''کھانا پکانا جانتی ہیں؟ خاص چینی طرز کا کھانا؟'' اشعر تیزی سے بولا تو ایڈم رکا۔ پھر جھٹ سر ہلایا۔

''ہر قسم کا کھانا بنا لیتی ہیں وہ۔ ملے۔ انڈین۔ چینی۔''

''میں نے ابھی ابھی شام کو گھر میں پارٹی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ صرف چند چینی دوست مدعو ہوں گے۔ اگر تمہاری ماں بہترین چینی کھانا بنا سکتی ہے تو اس کو میرے گھر لے جاؤ اور کچن اس کے حوالے کر دو۔ اگر مجھے کوئی شکایت نہ ملی تو میں اس کو کہیں شیف رکھوا دوں گا۔'' پھر ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا اشارہ کیا تو ایڈم ہکا بکا سا ہٹ گیا۔

''شکریہ.... شکریہ سر۔'' پیچھے سے بوکھلا کے پکارا مگر اشعر اپنے گارڈز سمیت آگے بڑھ گیا تھا۔ ایڈم لابی میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

(تھوڑی دیر پہلے مجھے اشعر پہ غصہ تھا کہ وہ فاتح کے ملازم سے خفیہ تعلق کیوں رکھے ہوئے ہے۔) لابی میں آتے جاتے سوٹڈ بوٹڈ امیر لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگا۔ (مگر میں نے اپنا کام کہتے دیر نہیں لگائی۔ کیا میں بھی سیاست سیکھنے لگا ہوں؟) پھر سر جھٹکا۔

نوکری کے لیے سفارش کروانا بری بات نہیں۔ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ چوری نہیں کی۔ محنت مزدوری کر کے پیسے کمانا چاہتے ہیں ہم۔ اگر یہی سیاست ہے تو بری چیز نہیں ہے یہ۔

☆☆==========☆☆

حالم کا خوبصورت اور اونچا گھر اس دوپہر خاموش پڑا تھا۔ بارش رک چکی تھی اور لان کا گھاس پانی سے بوجھل تھا۔ تالیہ نے کار پورچ میں روکی اور خاموشی سے باہر نکلی۔ وہ بھیگی ہوئی لگ رہی تھی۔ شاید وہ عصرہ کے گھر سے واپسی پہ وہیں کار روک کے باہر نکل کے بارش میں

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

کھڑی رہی تھی۔سنہرے بالوں سے موٹے موٹے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے....وہ ان میں انگلیاں چلاتی دروازے کی طرف آئی

۔

''میں نے آج دو چیزیں دریافت کیں۔سنو گی تو داد دو گی۔'' دروازہ کھولا تو سامنے لاؤنج کے صوفے پہ پھیل کے بیٹھی بھاری بھرکم داتن دکھائی دی۔سینے پہ پیالہ رکھے اس میں سے اخروٹ نکال نکال کے کھاتی بھی جا رہی تھی۔''پوچھو کون سی دو چیزیں؟''

تالیہ اندر آئی۔دروازہ بند کیا۔جوتے اتارے۔ریک سے نرم چپل نکال کے پہنے۔چہرہ جھکا ہوا اور خاموش تھا۔داتن نے بے چینی سے چند لمحے انتظار کیا۔

''چونکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی ہاں تصور کی جاتی ہے'اس لئے میں سمجھ گئی ہوں کہ تم میری دریافت جاننے کے لئے بے چین ہو'سو تمہارے پوچھے بغیر ہی بتائے دیتی ہوں۔''

تالیہ نے پرس اسٹینڈ پہ لٹکایا اور کچن تک آئی۔ایک الماری کا پٹ کھولا۔اندر سے سفید تولیہ نکالا۔

''جانتی ہو سمیع کو کیسے معلوم ہوا کہ اشعر محمود نے تمہاری تحقیقات کروائی ہیں؟میں نے صرف سمیع کے شناختی کارڈ نمبر سے اس کا ایڈرس معلوم کروایا تو پتہ چلا'وہ اشعر کے آفس میں کام کرتا ہے۔یعنی ڈائریکٹ رملی (اشعر کا مینیجر) کے نیچے۔''

تالیہ نے کمر موڑی اور سر جھکا دیا'پھر گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹ کے سیدھی کھڑی ہوئی۔

''سمیع کا تعلق منی لانڈرنگ گروہ سے تھا'اور وہ کئی سالوں سے اشعر کے پاس ہی کام کر رہا ہے۔عین ممکن ہے کہ اشعر بھی اسی کام میں ملوث ہو۔منی لانڈرنگ کر کے ہی بنائی ہو گی اشعر اور اس کے باپ نے اتنی بڑی جائیداد۔اب دوسری دریافت کا پوچھو۔''

تالیہ سر نیہوڑائے بالوں کو تولیے سے رگڑ رہی تھی۔خاموش بالکل خاموش۔

''ہاں ہاں میں جانتی ہوں تم مزید جاننے کے لیے بے چین ہو۔تجسس تمہارے اندر ابل ابل رہا ہے۔اس لئے تمہیں انتظار کیوں کرواؤں'اتنی ظالم تو نہیں ہوں میں۔بتا ہی دیتی ہوں۔'' وہ مٹھی بھر اخروٹ پھانکتے ہوئے جلدی جلدی جوش سے بتانے لگی اور تالیہ خاموشی سے بال خشک کرتی رہی۔

''اس کویتی شیخ کا ملازم نوفل شیخ بن کے جب عصرہ سے ملا تو عصرہ یا فاتح تو نہیں جانتے تھے کہ اصلی شیخ کی شکل کیا ہے لیکن اشعر تو ساتھ تھا۔اس نے عصرہ کو نہیں بتایا کہ یہ اصلی شیخ نہیں ہے۔نہ جب تم نے ڈائننگ ہال میں شیخ کو کال ملائی'تب اشعر نے شیخ سے واقفیت ظاہر کی۔لیکن یہ دیکھو....''صوفے سے ایک کاغذ اٹھا کے لہرایا۔''اشعر اور وہ شیخ جاسم ایک ہی گالف کلب کے ممبر رہے ہیں اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کبھی ملے نہ ہوں۔لوگ گالف کھیلتے بھی تو اونچی دوستیوں کے لئے ہیں۔میرا خیال ہے ان دونوں کی پرانی دوستی ہے یعنی یہ اشعر ہی ہے جس کے کہنے پہ شیخ نے نقلی پینٹنگ اور اپنا ملازم دونوں اس کے حوالے کر دیے۔یعنی یہ اشعر ہے جو عصرہ اور فاتح کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔''

تالیہ نے تولیہ زور سے کھینچ کے پرے اچھالا اور مڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''کون فاتح ؟ کون اشعر؟ لیانہ اور تالیہ کی بات کرو۔''

داتن حیران رہ گئی۔''تالیہ......''

''ہمارے ہر اسکام کے لئے لوگوں کو تم ہائر کرتی ہو، میں پسِ منظر میں رہتی ہوں، اپنا چہرہ نہیں دکھاتی....رات کو چھپ کے چوری کرتی ہوں اور دن میں کسی نوکرانی، کسی ویٹرس جیسا معمولی سا کردار کرتی ہوں جو کسی کو یاد بھی نہیں رہتا۔لیکن مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔''اتنی درشتی سے بولی کہ داتن دھک سے رہ گئی۔

''چار ماہ پہلے ہم نے ڈریم اسکام کھیلا تھا....وہ اداکار چالاک لڑکا احمد جس نے یتیم خانے کے دورے پہ آنے والی امیر انڈونیشین خاتون کے سامنے پیش گوئی کی اور پھر ہم نے اس کو ڈرا کے اس سے مزید پیش گوئیوں کے لئے پیسے بٹورے تھے۔کچھ یاد آیا؟''

داتن کے کھلے لب بند ہو گئے۔اس نے نظریں جھکا لیں۔''تمہیں پتہ چل گیا؟''

''نہیں چلنا تھا کیا؟''وہ دبا دبا سا چلائی۔''تم میری طرف ہو یا میرے مخالف ہو داتن؟ کیوں تم نے عصرہ کو اسی دن ڈرانا چاہا جب وہ مجھے گھر بلا رہی تھیں۔میں اس کا شوہر چھین لوں گی؟ واٹ نان سینس؟''

چند لمحے لاؤنج میں موت کا سناٹا چھایا رہا۔پھر داتن نے گہری سانس لے کر آنکھیں اٹھائیں۔''میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس کا شوہر چھین لو گی۔اتنا کہا تھا کہ تم اس کو عصرہ کی دنیا سے دور لے جاؤ گی اور یہ سب تمہارے خواب کہتے ہیں تالیہ۔وہ دو دریاؤں والا خواب....اس کا یہی مطلب ہے۔''مگر تالیہ نفی میں سر ہلاتی غصے سے ٹہلنے لگی تھی۔

''تم نے میری گردن کے نشان کی تصویر لی...تم اس کتاب کو چھپ چھپ کے پڑھتی رہیں....مجھے سب پتہ چل رہا تھا مگر میں چپ رہی ....میری دو آنکھیں میری گردن کے پیچھے بھی ہوتی ہیں داتن مگر میں ہر وقت زبان نہیں چلاتی کیونکہ مجھے لگا تم میری حفاظت کر رہی ہو گی۔''

''میں تمہاری حفاظت ہی کر رہی ہوں۔''

تالیہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔مگر بولی کچھ نہیں۔

''ہو سکتا ہے تم مجھ پہ بالکل یقین نہ کرو تالیہ۔یہ تمہارا حق ہے لیکن میں جانتی ہوں۔وہ چابی تمہیں تباہ کر سکتی ہے۔وہ ملعون ہے اور تم خفا ہوتی ہو تو ہو، لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اس بریسلیٹ یا سکے کو چراؤ کیونکہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔''داتن کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''وہ خزانے کی چابی ہے، داتن۔وہ میرے باپ کے خزانے کی چابی ہے۔وہ میری وراثت ہے۔میرے باپ کا ترکہ ہے۔''وہ سینے پہ انگلی رکھے درد سے اونچا سا بولی....اب آواز میں غصہ کم اور دکھ زیادہ تھا....مگر داتن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''کوئی خزانہ نہیں ہے تالیہ۔اس الوژن سے نکل آؤ۔اس چابی سے تمہاری زندگی تباہ ہو جائے گی۔''آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور سیاہ گال پہ لڑھک گیا۔

''نہیں۔میں جانتی ہوں۔خزانہ ہے۔تاشہ کا خزانہ۔میرے بابا کا خزانہ۔وہ جو بھی تھی اس نے میرے لئے خزانہ چھوڑا ہے۔ایڈم اور

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

میں اس کے قریب پہنچنے والے تھے۔ میرے خواب غلط نہیں ہوتے۔ تم میرے راستے میں رکاوٹ کیوں بن رہی ہو؟'' وہ غصے اور دکھ سے بولی تو داتن اٹھ کھڑی ہوئی۔ میز پہ رکھا جار اٹھالیا جس میں سے خستہ بسکٹ جھلک رہے تھے۔

''تم نے خواب میں کوئی خزانہ نہیں دیکھا۔ کیا تم نے دیکھا؟ نہیں نا۔ لیکن تم نے دو دریا دیکھے۔ تم نے ہما پرندے کو دیکھا۔ اس کا مطلب حکومت یا طاقت نہیں ہے۔ یہ شکار بازوں کے نشان ہیں۔ تم شکار بازوں میں سے ہو اور وہ اچھے لوگ نہیں تھے تالیہ۔ یہ اچھی چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن اگر تم اتنی ہی کنوینس ہو کہ خزانہ وجود رکھتا ہے تو تم اس کو ڈھونڈو۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی' لیکن کنویں میں چھلانگ لگانے میں اپنی دوست کی مدد بھی نہیں کروں گی۔'' تالیہ اسے انہی خفا نظروں سے دیکھتی رہی اور وہ کہتی گئی۔ ''البتہ تمہارے راستے کی دوسری رکاوٹوں کو میں تم سے دور کرتی رہوں گی جیسے ہمیشہ۔ اور یہ بسکٹ کھالینا' اور جار کا ڈھکن بند کر کے رکھنا۔ نمی گھس جائے تو ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ بس صوفے پہ بیٹھی اور کشن گود میں رکھ لیا۔ پھر چہرہ موڑے خفگی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''جانتی ہو دوستی کا سب سے تکلیف دہ لمحہ کون سا ہوتا ہے؟ جب دوست کچھ غلط کر رہا ہو۔ اگر نہ روکا تو دوست تباہ ہو گا۔ روکا تو دوستی۔ مجھے نہیں معلوم اس لمحے میں کس کو چننا چاہیے۔ دوست کو۔ یا دوستی کو۔'' اتنا کہہ کے اس نے جار میز پہ رکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو تالیہ نے خفا نظریں موڑ کے کھڑکی کو دیکھا۔ داتن باہر لان عبور کرتی نظر آرہی تھی۔

وہ چند لمحے بیٹھی رہی۔ ایک دو دفعہ جار کو تندہی سے دیکھا بھی۔

''پہلے اپنے بیٹے کو دینے لگی ہو گی' پھر آخری وقت ارادہ بدل کے مجھے یاد کیا ہو گا۔ ہونہہ۔'' اور منہ موڑ لیا۔ کچھ دیر مزید گزری۔ پھر وہ تیزی سے آگے جھکی' جار اٹھایا' کھول کے گود میں رکھا اور بسکٹ نکال کے چکھا۔

''یہ بسکٹ موٹی نے یتیم خانے والی حرکت سے پہلے بنائے ہوں گے۔ یہ حلال ہیں۔ میں کھا سکتی ہوں۔'' اور اسی طرح خفگی سے ایک ایک بسکٹ کترنے لگی۔ چہرہ ہنوز سرخ دہک رہا تھا اور گیلے سنہرے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ اسے داتن پہ بہت سارا غصہ تھا۔

اور حالم کے گھر سے میلوں دور.... اپنے آفس میں کھڑا' مسکرا کے ملاقاتیوں سے مصافحہ کرتا وان فاتح ان کو الوداع کہہ رہا تھا۔ وہ افراد باہر نکلے تو وہ تکان سے اپنی کرسی پہ گرا' ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی اور موبائل اٹھالیا۔ ساتھ ہی عینک ناک پہ جمائی' اور اسکرین روشن کی۔ بیسیوں پیغامات۔ ای میلز۔ وہ میکانکی انداز میں ایک ایک کھولتا گیا۔ دفعتاً ایک ای میل پہ ٹھہرا۔ ہدیٰ۔

''سر... میری اشعر کے متعلق اسٹوری نہیں چھاپی گئی اور مجھے نوکری سے بھی نکال دیا گیا ہے۔ کچھ کیجیے۔ یہ سب اس اسٹوری کی وجہ سے ہوا ہے جو آپ نے مجھے دی تھی۔''

فاتح کی انگلیاں کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

''کون سی اسٹوری؟'' سپاٹ چہرے کے ساتھ اس نے لکھا۔

''سر... آپ نے جو مجھے ہنٹ دیا تھا اشعر کے بارے میں... میں اس کی بات کر رہی ہوں۔''

''کون ساحٹ؟ آئی ایم سوری ہدیٰ مگر مجھے نہیں معلوم' تم کیا کہہ رہی ہو۔''

حیرت سے لکھا گیا جملہ اس نے بھیجا تو چہرہ شانت تھا۔چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا تھا۔

''یا اللہ۔آپ سارے سیاستدان ایک سے ہوتے ہیں۔آپ دیکھئے گا اب کہ میں کیا کرتی ہوں۔''

فاتح نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ہدیٰ کا جواب پڑھا اور اگلی میلز دیکھنے لگا۔چہرہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھا۔

☆☆=========☆☆

سہ پہر ڈھلی تو کوالالمپور کے خوبصورت آسمان کو بادلوں نے راستہ دے دیا اور خود دور چھٹ گئے۔خوشگوار' ٹھنڈی شام اونچی عمارتوں والے شہر پہ اترنے لگی۔ایسے میں اشعر محمود کے شاہانہ قلعے میں اچانک منعقد کی جانے والی دعوت کے ہنگامے جاگنے لگے۔

سرخ رنگ جو چینیوں سے منسلک تھا' لان میں کیٹرنگ میں ہر جگہ نظر آ رہا تھا۔اندر قلعے کے کچن میں جھانکو تو چند باوردی ملازم کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔اشتہا انگیز کھانوں کی مہک سارے میں پھیلی تھی اور ایک کاونٹر کے ساتھ کھڑی ایڈم کی ماں ایپرن' ٹوپی اور دستانے پہنے طعام سے سجی ایک ڈش کو سجانے میں مصروف تھی۔

چند میل دور....وان فاتح کی رہائشگاہ پہ بھی شام اترنے کو بے تاب نظر آتی تھی۔

اپنے کمرے کے ڈریسر مرر کے سامنے کھڑا فاتح اپنے عکس کو دیکھتا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ایک نظر گھڑی پہ بھی ڈالی۔دیر ہو رہی تھی۔

تب ہی دروازہ دھاڑ سے کھلا اور عصرہ آندھی طوفان کی طرح اندر آئی ۔فاتح نے ایک نظر عکس میں اسے اپنے عقب میں دیکھا۔وہ زرد لباس' میک اپ اور جوڑے میں تیار نظر آتی تھی مگر چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''ایلش کا فون آیا تھا۔''

''فکر نہ کرو ہم وقت پہ پہنچ جائیں گے۔میں ابھی تو گھر آیا ہوں۔'' ٹائی کو بل دے کر باہر نکالتے وہ سادگی سے بولا۔

''تم کس کی سائیڈ پہ ہو فاتح؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کے دائیں طرف آ کے غرائی۔دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھی۔

''باریسن نیشنل کی۔'' وہ آئینے کی طرف متوجہ رہا۔

''تو اگر میرے بھائی کا لحاظ نہیں کرنا تھا تو باریسن نیشنل کے رکن کا تو کر لیتا تھا۔تم نے کیسے صحافی سے کہہ دیا کہ وہ اشعر کے خلاف خبر لگائے؟'' وہ درد سے دبا دبا چلائی۔

''میں نے کسی کو کوئی خبر لگانے کو نہیں کہا۔'' اس نے گھڑی اٹھائی اور کلائی میں باندھنے لگا۔

''مگر تم نے اسے ذلیل کرنے کی کوشش کی' فاتح!'' اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''ایک خبر کسی کو ذلیل نہیں کر سکتی عصرہ۔میرے بارے میں ہر شام ایک سے زیادہ خبریں لگتی ہیں۔'' گھڑی بند کر کے اس نے کف لنکس اٹھائے۔

''ایش کے ambitions خاک میں مل سکتے تھے فاتح۔''

''اور میرے عزائم؟ میرے گولز؟'' وہ کف لنک پہنتے ہوئے چہرہ موڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں کہہ چکی ہوں، تم چیئر مین کا الیکشن نہیں لڑو گے اور ہم نیلامی کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''اگر کہنے سے فیصلے ہو جاتے ہیں تو چلو میں بھی کہہ دیتا ہوں۔'' دوسرا کف لنک آستین پہ نتھی کرتے ہوئے وہ نظریں عصرہ پہ جمائے بولا۔

''پچھلے چھ ماہ سے جو اشعر کے دوستوں نے اس کا دماغ خراب کر کے اسے میرے خلاف اٹھنے پہ مجبور کیا ہے نا، اور تب سے مجھے ہر طرف جو مالی خسارہ ہو رہا ہے نا، کبھی میرے شیئرز ڈوب جاتے ہیں، کبھی مجھے مقدموں میں پھنسا کے قلاش کیا جاتا ہے، کبھی مال میں میری ہی دکانوں کو آگ لگ جاتی ہے.... یہ مت سمجھو کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ کون کر رہا ہے۔ اگر میں اب تک خاموش تھا تو اس لئے کہ مجھے امید تھی اشعر پلٹ آئے گا، لیکن وہ مجھے اس نہج پہ لے آیا ہے کہ مجھے اس کو ایک پیغام دینا پڑا ہے۔ وہ یہ مت سمجھے کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو میں الیکشن کیمپین نہیں چلا سکتا۔ میں کسی سے بھیک نہیں مانگوں گا مگر الیکشن بھی لڑوں گا۔ فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے اور تم.... تم۔ آج آخری دفعہ سن لو۔ تمہیں نیلامی کرنی ہے اپنی آرٹ کلیکشن کی تو شوق سے کرو، امریکہ جانا ہے، میرے بچوں کو بھی لے کر جانا ہے تو تم جاؤ۔ میں ملائیشیا کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ اب تمہیں کچھ اور کہنا ہے یا ہم پارٹی میں جا رہے ہیں؟''

وہ جیسے چبا چبا کے.... سختی سے بولا تھا، عصرہ محمود بالکل چپ ہو گئی۔ وان فاتح کو کبھی کبھار بہت شدید غصہ آتا تھا اور ایسے وقت پہ عصرہ کو لگتا، وہ ہر ایک کو چھوڑ سکتا ہے۔ بے نیاز۔ سرد مہر۔

''مجھے تمہارا جواب چاہیے عصرہ۔ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے یا امریکہ جانا ہے؟'' وہ اسی غراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ چبھتی ہوئی آنکھیں عصرہ پہ جمی تھیں۔

عصرہ نے خود کو سنبھالا۔ چہرے کی سرخی قدرتی طور پہ کم ہوتی گئی۔

''کیا تمہیں لگتا ہے مجھے تمہارے خوابوں کا احساس نہیں ہے؟ میں....''

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے عصرہ!'' اور سیاسی بیوی نے گہری سانس لی اور اس کی کہنی تھامی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ غصہ مت کرو۔ ہم نہیں جائیں گے امریکہ۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔'' وہ ٹھنڈی پڑ گئی اور رسان سے اسے ٹھنڈا کرنے لگی۔ ''مگر مجھے نیلامی کرنے دو۔ نیلامی کے پیسوں سے تمہارے فنڈز کا انتظام ہو جائے گا۔ میں نے تمہاری ہر سیاسی مہم میں حصہ لیا ہے ہمیشہ، اس دفعہ بس میں خوفزدہ ہوں فاتح، ورنہ میں....''

''مجھے تمہارے پیسوں کی نہیں، تمہارے سپورٹ کی ضرورت ہے۔'' بیوی کو معلوم ہوتا ہے شوہر کو ٹھنڈا کیسے کرنا ہے اور اسے con کیسے کرنا ہے۔ فاتح ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کف لنک ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ عصرہ نے نرمی سے وہ اس سے لیا تو اس نے مزاحمت نہیں

کی۔

''ایسا سوچنا بھی نہیں کہ میں کبھی تمہیں چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔'' وہ کف لنک دلجمعی سے اس کے کف پہ پہنانے لگی۔ ''اگر یہ تمہارے لئے اتنا ہی ضروری ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جیتیے۔ بات ختم۔ ٹھیک؟''

فاتح بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے غور سے دیکھتا رہا' گویا یقین کرے یا نہ کرے' پھر اس نے یقین کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہلکا سا مسکرایا اور سر کو خم دیا۔ ''تھینک یو۔ میں کار میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' پھر کوٹ کو کندھوں پہ برابر کیا اور سیل فون اٹھا کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ اسے عبور کر کے لاؤنج میں آیا تو ایک دم ٹھٹکا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

سامنے بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سنہرے بالوں والی لڑکی بیٹھی تھی۔ سرخ چھوٹی آستین کے چینی طرز کی لمبی میکسی میں ملبوس' اس نے میک اپ کچھ ایسا کر رکھا تھا کہ شکل چینیوں کی طرح لگ رہی تھی۔ (ملے لوگوں کے نقش بھی چینیوں سے ملتے ہیں مگر رنگت گندمی مائل یا سانولی ہوتی ہے۔ تالیہ البتہ کافی گوری گلابی سی تھی۔) فاتح کو دیکھ کے وہ سادگی سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر کو خم دیا۔ ''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ تم ادھر؟'' وہ حیران ہوا اور اسے کچھ برا بھی لگا۔

''مسز عصرہ نے ایمرجنسی میں بلوایا تھا۔ وہ کسی پارٹی میں مجھے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔'' وہ اس کی ناگواری دیکھ کے ذرا پھیکی پڑی' پھر جبراً مسکرائی۔

''ہوں۔'' وہ آگے بڑھ گیا تو وہ بے اختیار بول اٹھی۔

''کیا آپ بھی اس پارٹی میں جا رہے ہیں؟'' فوراً زبان دانتوں تلے دبائی۔ (کیا صبح والی بے عزتی کافی نہیں تھی تالیہ؟ مگر یہ دل کیا کیا کروا دیتا تھا۔)

''ظاہر ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

''سی یو.... توانکو! (پھر ملتے ہیں' میرے محترم!)'' لبوں سے بے اختیار پھسلا تھا۔ بنا کسی ارادے' کسی سازش' کسی سوچ' کسی مطلب کے .... اس لفظ پہ فاتح ٹھہرا۔ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سامنے سے آتی عصرہ کی طرف بڑھ گئی تھی اور اب مسکرا کے اس سے مل رہی تھی۔ سنہرے بال چہرے کے ایک طرف ڈال رکھے تھے اور کانوں سے سرخ آویزے لٹک رہے تھے۔ عصرہ مسکراتے ہوئے اسے اشعر کی پارٹی کا بتا رہی تھی جس پہ اشعر نے اسے خاص الخاص مدعو کیا تھا۔ فاتح یونہی اسے دیکھے گیا۔

(توانکو....) وہ لفظ اتنی محبت اور عقیدت لئے ہوئے تھا کہ اس کی بازگشت لمحے بھر کو سارے گھر میں پھیل سی گئی۔ (توانکو) (میرے آقا' مائی لارڈ) بس ایک لمحے کے لئے فاتح نے اسے ذہن میں دہرایا پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

(توانکو Tuanku ایک قابلِ احترام ٹرم ہے جو ملے اللہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور کسی محترم کے لیے بھی۔ جیسے میرے

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

مالک‘میرے آقا کہنا)

’’ایڈم۔‘‘ باہر نکلتے ہی فاتح نے برے موڈ کے ساتھ ایڈم کو پکارا۔’’تم میری کار چلاؤ۔ہم پہلے جائیں گے۔بیگم صاحبہ اپنی مہمان کے ساتھ دوسری کار میں آئیں گی۔‘‘اس کا موڈ خراب ہوگیا تھا۔وہ اتنی بری کیوں لگتی تھی اسے؟

ایڈم نے جھٹ چابی تھام لی۔

راستے میں فاتح خفگی سے باہر دیکھتا رہا۔وہ ہمیشہ سنبھلا ہوا اور پرسکون رہتا تھا‘سوائے جب اسے بہت زور کا غصہ آتا۔لیکن یہ لڑکی.... یہ ان دونوں میاں بیوی کی لڑائی کے وقت ان کے کمرے کے باہر بیٹھی تھی‘یہ بات اسے بہت غیر آرام دہ کررہی تھی۔شاید صرف یہی بات تھی۔یا شاید اس کو دیکھ کے آریانہ یاد آتی تھی....آریانہ کو وہ اچھی لگی تھی....اتنی کہ وہ کتنے ہی دن اس کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی۔ سنہرے بالوں والی تاشہ آگاپووا.....

’’ایک سوال پوچھوں‘سر؟‘‘ایڈم کی آواز نے اسے سوچ سے باہر کھینچ نکالا۔فاتح نے گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

’’پوچھو۔‘‘

’’سر....کچھ دن اچھے گزرتے ہیں مگر کچھ دن ہمارے بہت برے گزرتے ہیں۔دل خراب ہوتا ہے۔وجہ کبھی پتہ نہیں ہوتی کبھی ہوتی ہے۔ایسے دنوں میں کیا کیا جائے؟‘‘

’’یہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔برے دنوں سے لڑنا سیکھو۔اپنے دل سے پوچھو مسئلہ کیا ہے‘غلطی کیا ہے‘اور اس کا حل سوچ کے خود کو پرسکون کرنا سیکھو۔جتنا زیادہ تم برے موڈ کے آگے ہتھیار ڈالو گے‘اتنے ہر گزرتے دن کے ساتھ کمزور ہوتے جاؤ گے۔جتنا اس سے لڑو گے‘پرسکون رہو گے۔‘‘

’’سر کبھی کبھی مسئلہ ہمارے کچھ عزیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔جن سے ہمارا خونی رشتہ نہیں ہوتا‘مگر ان کے بارے میں دل فکرمند رہتا ہے۔اگر ان کو کچھ غلط کرتے دیکھیں تو ان کو روکنے کا دل چاہتا ہے‘مگر ان کی ناراضی سے ڈر بھی لگتا ہے۔ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟‘‘

’’تمہارا مطلب ہے کسی کے ساتھ کوئی انہونا سچ بولتے ہوئے تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔‘‘فاتح اب کھڑکی سے باہر بھاگتی عمارتیں دیکھ رہا تھا۔

’’جی‘سر!‘‘ایڈم نے موڑ کاٹتے شرمندگی سے آواز پست کی۔

’’تمہیں معلوم ہے ایڈم....چودہ سو سال پہلے عرب میں ہمارے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی نے نبوت سے نوازا تھا۔غار حرا میں فرشتہ ان کے پاس حق لایا تھا۔جب وہ گھر واپس آئے تو خدیجہؓ نے ان کی بات پہ من وعن اعتبار کیا۔بات کتنی ہی انہونی کیوں نہ تھی‘انہوں نے وہ کیا جو ایک اچھا دوست‘ایک اچھا ساتھی کرتا ہے۔اپنے پارٹنر کو کمفرٹ کیا۔ہمت بندھائی۔ان کو کہا کہ آپ کو اللہ کبھی ذلیل ورسوا نہیں

کرے گا کیونکہ آپ غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مصائب میں گھرے لوگوں کا سہارا بنتے ہیں۔ مشکل وقت میں اپنے ساتھی کو امید دکھائی، ان کی اچھائیاں ان کو یاد دلائیں۔ اور ان کی بات پہ یقین کیا۔ جانتے ہو کیوں؟"

"کیوں؟"

"کیونکہ خدیجہؓ محمد ﷺ کو اتنے اچھے طریقے سے جانتی تھیں کہ ان کو معلوم تھا، یہ جو کہہ رہے ہیں، سچ کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ عام معاملات میں بھی سچ بولتے تھے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری ہر خاص بات کا اعتبار کریں تو تم عام باتوں میں بھی سچے بنا کرو۔"

"اور اگر اس کا وقت نہ ہو؟ اگر مجھے اپنے اس عزیز کو..." بیک ویو مرر میں فاتح کا چہرہ دیکھا جو بے نیاز سا باہر دیکھ رہا تھا۔ "...ابھی آج ہی کسی شے سے آگاہ کرنا ہو... تو میں کیا کروں؟"

"تمہیں سچ اور حق کا فرق معلوم ہے، ایڈم؟" وہ جواباً سوال پوچھ رہا تھا۔ "سچ تو برہنہ تلوار ہے، جو سامنے آئے گا، کاٹ ڈالے گی۔ مگر حق وہ سچ ہوتا ہے جو درست طریقے سے درست وقت پہ درست جگہ بولا جائے۔" ذرا ٹھہر کے وہ باہر دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "تمہیں معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر وہ blunt نہیں تھے۔ کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ لوگوں کے منہ پہ ان کے لباس، گھر اور جسمانی اعضا کے عیوب نہیں بیان کرتے تھے۔ انسؓ بچے تھے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے۔ دس سال ان کے ساتھ رہے۔ وہ کہتے ہیں، آج تک رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہیں ٹوکا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ ہم لوگ ایسے نہیں کرتے۔ خود میں ایسے نہیں کر پاتا۔ بول دیتا ہوں۔ بعد میں سوچتا ہوں سامنے والے کا دل دکھا دیا۔ مگر بہر حال... تم نے پوچھا ہے تو تمہیں درست بات بتاؤں گا... سچ کی جگہ حق کہنا سیکھو۔ یعنی صحیح طریقے سے صحیح وقت پہ سچ بولنا سیکھو۔ اور یہ تم تبھی سیکھ سکو گے جب تم خود سے سچے ہو گے۔"

"خود سے سچے کا مطلب، سر؟" وہ انہماک سے سنتا ڈرائیو کر رہا تھا۔

"کبھی اپنی کسی بری عادت سے جنگ کی ہے تم نے؟ بہت سے لوگوں کو بہت سی بری عادتیں ہوتی ہیں۔ ڈرگز، عورتیں، جوا... یا کم سے کم انٹرنیٹ پہ غلط اشیاء دیکھنا۔ لوگ ان کے ساتھ خود سے جھوٹ بول کے لڑتے ہیں۔ "اب میں یہ نہیں کروں گا" کہہ کر چند دن ان کو دبا لیتے ہیں، پھر وہی کام کر بیٹھتے ہیں۔ پھر گلٹ، توبہ، پھر وہی کام۔ یوں یہ ایک گھناؤنا سائیکل چلتا رہتا ہے۔"

"مگر بری عادتوں کو اسی طرح تو چھوڑا جاتا ہے سر، خود سے عہد کر کے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔" وہ حیران ہوا۔

"ایڈم بری عادت بیماری نہیں ہوتی۔ بیماری کی ایک علامت ہوتی ہے جو ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو چکن پاکس نکل آئیں تو وہ دانوں پہ کریم لگانے سے نہیں جاتے۔ دانے تو ایک علامت ہیں۔ اس کو دوا لینی پڑے گا جو جسم کے اندر جا کر اصل مسئلے کو ختم کرے گی۔ cause کو ٹریٹ کرنا ہوتا ہے، علامتوں کو نہیں۔ مگر اس کے لئے خود سے سچ بولنا پڑتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''اپنے آپ سے پوچھنا ہوتا ہے کہ اگر میں یہ کرتا ہوں تو کیوں کرتا ہوں؟ میں کس چیز کی کمی اس چیز میں ڈھونڈ رہا ہوں؟ بری عادت بار بار واپس آئے گی جب تک تم خود سے سچے نہیں ہو گے۔ بیماری کی وجہ کا علاج نہیں کرو گے۔ جب تم اپنے آپ سے سچے ہو گے تو دوسروں کے بارے میں تمہاری رائے بھی سچی ہو گی کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ جو تم دیکھ رہے ہو، وہ سچ بھی ہے۔''

''یعنی ہمیں ایک دم سے مداخلت کرنے کی بجائے پہلے تصدیق کرنی چاہیے' پھر انصاف کی بنیاد پہ فیصلہ کر کے درست طریقے سے بات پہنچانی چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ہم میں مداخلت کی عادت کچھ زیادہ ہی ہو۔'' اس نے گویا اعتراف کیا۔

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ ہر بات کا جواب نہیں دیا کرتا تھا۔ وہ بس کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا....

وہاں سڑک کے پار دور اونچی آسمان کو چھوتی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

یکا یک ان عمارتوں کی رنگت پیلاہٹ بھری ہو گئی... ارد گرد ماحول زرد ہو گیا... وان فاتح نے گردن موڑی تو کار کو ایک بوڑھا ڈرائیور چلا رہا تھا' اور فرنٹ سیٹ پہ قدرے نوجوان سا اشعر بیٹھا تھا۔ چھ سال پہلے کا ماحول.....

پیچھے فاتح کے بائیں ہاتھ ایک لمبے بالوں والی بچی بیٹھی تھی۔ وہ گردن سیدھے رکھے' سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ عمر کم تھی مگر ذہانت اور تمکنت ہر انداز سے جھلکتی تھی۔

''آبنگ' آپ کو گیارہ بجے فنڈ ریزر میں جانا ہے' مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ وہاں سے آدھے گھنٹے میں فارغ ہو جائیں کیونکہ پھر میں نے آپ سے ملاقات کے لئے چند انڈسٹریلسٹس کو وقت دے رکھا ہے۔'' وہ اپنی ڈیجیٹل ڈائری دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ''اور اگلے الیکشن سے پہلے آپ کو بار بار ان سے ملنا پڑے گا۔''

''شیور!'' سوٹ میں ملبوس' سیل فون دیکھتے فاتح نے ہلکے سے کندھے اچکائے تھے۔

''کا کا فنڈ ریزر پہ نہیں آسکیں گی' میں نے ان کو آپ کی ری الیکشن مہم کے لئے مختلف ٹاسک دیا ہے' ان کو آج دو اپوائنٹ اٹینڈ کرنے ہیں۔ ٹھیک ہے نا' آبنگ۔'' اشعر تائیدی انداز میں بیک مرر کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا' گویا استار عب تھا کہ اگر وان فاتح انکار کر دے تو وہ فوراً سے شیڈیول بدل دے گا۔

''مجھے تم پہ بھروسہ ہے' ایش۔ تم میرے چیف آف اسٹاف اسی لئے ہو۔''

اشعر مسکرایا' پھر بیک ویو مرر کو ہاتھ سے ترچھا کیا تو اس میں سنجیدہ مگر بور سی ہوئی آریانہ بیٹھی دکھائی دی۔ ''آریانہ.... اتنی بری شکل کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے ڈیڈ ہر گزرتے دن وزیر اعظم بننے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔''

آریانہ نے بھنویں بھینچ کے پہلے اسے دیکھا اور پھر چہرہ موڑ کے باپ کو۔

''کسی کو یاد بھی ہے کہ کل کون سا دن ہے؟''

فاتح کی سیل فون پہ جمی نظریں چونک کے اٹھیں۔ چونکے انداز میں آریانہ کو دیکھا۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''تمہاری برتھ ڈے تو دسمبر میں آتی ہے نا۔'' ذہن نے فوراً جمع تفریق کی۔

''اور جولیانہ اور سکندر کی سالگرہ بھی دور ہیں۔'' ایلش نے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے حیرت ظاہر کی۔ آریانہ ہنوز خفگی سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈیڈ... کل آپ کی برتھ ڈے ہے۔''

''اوہ!'' جہاں فاتح کے ہونٹ سکڑے، وہیں اشعر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

''آبنگ کا برتھ ڈے تو اپریل میں ہوتا ہے۔''

''نہیں، آریانہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بچپن سے پیپرز میں غلطی رہ گئی اور اس کو بدلوانہ بڑا مسئلہ تھا۔ جو سالگرہ سیاسی طور پہ میں مناتا ہوں وہ واقعی میری درست سالگرہ نہیں ہے۔'' پھر مسکرا کے بیٹی کو دیکھا۔ ''اور صرف آریانہ کو میری اصل سالگرہ یاد رہتی ہے۔''

آریانہ نے اسی سنجیدگی سے ہتھیلی پھیلا دی۔ ''میرا گفٹ، ڈیڈ!''

فاتح کے ابرو بے اختیار اٹھے۔ ''اصولاً تمہیں مجھے گفٹ دینا چاہیے.... نہیں؟''

''مگر میرا تو کوئی سورس آف انکم ہی نہیں ہے، ڈیڈ۔'' معصومیت سے کہہ کر وہ آگے بڑھی اور فاتح کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ اسے اپنا بٹوہ نکالنے دیا۔ آریانہ نے اس میں سے کریڈٹ کارڈ نکال کے لہرایا۔

''میں آج اس سے اپنے اور آپ کے لئے گفٹ لوں گی، اور آپ کو کل مجھے وہیں لے جانا ہوگا جہاں گفٹ ہوگا۔'' دھونس سے بولی۔

''اور کیا ہے تمہارا گفٹ؟'' اس نے والٹ واپس جیب میں ڈالتے دلچسپی سے پوچھا تو آریانہ پہلی دفعہ مسکرائی اور پراسرار انداز میں بولی۔ ''تاشہ آگاپووا!''

''تاشہ آگاپووا؟'' فاتح نے اچنبھے سے دہرایا۔ ''وہ کون ہے؟''

''کون نہیں ڈیڈ.... یہ پوچھیں کہ کیا ہے!''

کار کی رفتار سست ہوئی تو وہ چونکا۔ منظر بدلا۔ چھ سال گزر چکے تھے اور وہ ایڈم کے ساتھ کار میں تھا۔ اشعر کا گھر آ چکا تھا جہاں پارٹی شروع ہو چکی تھی۔ سر جھٹک کے اس نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور چہرے پہ مخصوص مسکراہٹ طاری کر لی جس کے ساتھ اسے اب نیچے اتر کے مہمانوں سے ملنا تھا۔ سیاستدان کا مسکراتا ہوا چہرہ۔ بزنس فیس۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام گہری ہو رہی تھی اور قلعہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ لان میں مختلف قسم کے لوگ سرخ، سفید یا سیاہ لباس میں خوش گپیوں میں مصروف ٹہل رہے تھے۔ موسیقی بج رہی تھی۔

''سو یہ پارٹی ہے کس کے اعزاز میں؟'' روش پہ چلتی تالیہ نے عصرہ سے سوال کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

چونکہ وہ عصرہ محمود کے ساتھ کار سے اتری تھی' بہت سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

''معلوم نہیں۔اب مجھے سیاسی دعوتوں کے مقاصد میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی۔''عصرہ ثانے ذرا اچکا کے بولی تو تالیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔وہ بھرپور تیار اور کافی خوبصورت لگ رہی تھی مگر ذرا اکتائی ہوئی۔نظریں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

''ایک زمانے میں آپ سیاسی طور پہ بہت ایکٹیو تھیں۔لوگ کہتے تھے وان فاتح کو اس کی بیوی کی سپورٹ نے وان فاتح بنایا ہے۔''

''تب آریانہ ہمارے پاس تھی۔'' پھر اس نے گہری سانس لی اور ایک بے تاثر نگاہ تالیہ پہ ڈالی۔

''تم خود کو کمفرٹیبل کرلو.....میں ایش سے مل لوں۔''اور تالیہ کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

تالیہ نے نظریں گھما کے اطراف میں دیکھا۔سرخ لباس پہنے' کلچ اٹھائے' وہ کسی خالی دماغ والی امیر حسینہ جیسی لگ رہی تھی۔مگر اس کی تیز آنکھیں دائیں سے بائیں سارے لان کا جائزہ لے رہی تھیں۔جیسے ہر پارٹی پہ ''مارک'' (جس آدمی سے کچھ چرانا ہو) کے گھر کو وہ case کیا کرتی تھی۔وہ عموماً ان جگھوں پہ اسی نیت سے جایا کرتی تھی اور عادتاً آج بھی وہی کر رہی تھی حالانکہ اسے کچھ نہیں چرانا تھا۔سیکیورٹی کے کتنے افراد ہیں' کیمرے کہاں لگے ہیں' ہنگامی صورت حال میں بھاگنے کا پہلا راستہ کون سا ہو گا۔وہ عقابی نظروں سے جائزہ لیتی آگے بڑھتی آئی۔

ایک جگہ سامنے فاتح کھڑا تھا۔تین لوگوں کے گروہ میں' ہاتھ میں گلاس اٹھائے وہ مسکرا کے بے فکری سے کسی بات پہ تبصرہ کر رہا تھا۔بولتے ہوئے چہرہ دوسرے آدمی کی طرف موڑا تو اس کے کندھے کے پیچھے تالیہ کھڑی دکھائی دی۔فاتح نے اسے نظرانداز کر کے بات جاری رکھی۔تالیہ بھی شاید وہاں سے ہٹ جاتی مگر.....وان فاتح پہ جمی نظروں کے سامنے ایک دم سفیدی چھانے لگی...اتنی چمکدار سفیدی کہ وہ ٹھہر گئی.....ساری آوازیں بند ہوگئیں.....ایک خواب سا منظر ابھرا.....

لکڑی کی سلاخوں والا بڑا سا پنجرہ جسے چند لوگ اٹھا کے لے جا رہے ہیں.....کسی جنگل میں درختوں کے درمیان.....پنجرے کے دروازے پہ تالے پڑے ہیں اور اندر وہ اکڑوں بیٹھی ہے۔سنہرے روکھے بال اور چہرے پہ مٹی۔تھوڑی گھٹنے پہ رکھی ہے اور خاموش سپاٹ نگاہیں فاتح پہ جمی ہیں جو پنجرے کے دوسرے کونے میں بیٹھا ہے.....اسی طرح اکڑوں مگر چہرہ.....زخمی لگتا ہے.....

''تاشہ.....میرے ساتھ رہو۔''وہ اسے دیکھ کے آہستہ سے کہتا ہے۔''مجھے تمہاری ضرورت ہے۔اور تمہیں میری۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں' توانکو۔(میرے آقا)۔''وہ بولی تو آواز پھٹی پھٹی سی تھی.....سفیدی مزید چھاتی گئی.....اتنی کہ منظر غائب ہونے لگا.....

تالیہ نے چونک کے پلکیں جھپکیں تو پارٹی کا لان واپس دکھائی دینے لگا...فاتح کے ساتھ والے افراد بکھر گئے تھے یا کیا...وہ ''واپس'' آئی تو دیکھا' وہ گلاس لئے اس کے سامنے کھڑا ہے اور غور سے اسے دیکھ رہا ہے۔پارٹی کا شور پھر سے کانوں میں سنائی دینے لگا اور وہ مکمل طور پہ جاگ گئی۔زبردستی مسکرائی اور سر کو خم دیا۔''توانکو!''

''تم کیا دیکھ رہی تھیں؟'' پوچھتے ہوئے فاتح نے گردن موڑ کے اپنے پیچھے دیکھا اور پھر دوبارہ اسے۔

''میں.....'' وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ صبح والی توہین بھول گئی۔ اس کا سحر اتنا تھا کہ الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔ ''یونہی.... پارٹی کو دیکھ رہی تھی۔''

''اچھا؟.....'' وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے سوچتی نظروں سے اسے گویا پرکھ رہا تھا۔ ''مجھے لگا تم کچھ اور دیکھ رہی ہو..... کچھ غیر ماورائی جو ہم نہیں دیکھ سکتے..... جیسے کسی دوسری دنیا میں جھانکنا.....''

''کیا کوئی دوسری دنیا وجود رکھتی ہے' توانکو؟'' وہ اس کی آنکھوں پر سے نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''مجھے اس دنیا کی زیادہ فکر ہے۔ ہم نے اس کے لئے بہت کچھ کرنا ہے' دوسری دنیاؤں کی مخلوقات اپنی فکر خود کر لیں گی۔''

''آپ نے کبھی کسی سے درخواست کی ہے توانکو (Tuanku) کہ وہ آپ کے ساتھ رہے کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت ہے؟ کبھی ایسا موقع آیا؟''

وہ پھر سے مسکرایا اور کندھے اچکائے۔ ''میرے کاز کو بہت سے لوگوں کی ضرورت ہو گی مگر مجھے....'' انگلی سینے پہ رکھی۔ ''وان فاتح کو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی نہ وہ کسی سے ایسی درخواستیں کرتا ہے۔'' نرمی سے کہہ کے وہ گلاس لیے آگے بڑھ گیا۔

سحر ٹوٹا۔ منتر سا ختم ہوا۔

تالیہ نے گہری سانس اور سر جھٹکا۔ کھانا لگایا جا رہا تھا۔ وہ اپنے نام کی میز ڈھونڈتی آگے بڑھ گئی۔

''تالیہ بنتِ مراد'' جس گول میز پہ اس کے نام کا کارڈ لگا تھا' اس پہ اس کی نشست کے عین سامنے وان فاتح کا کارڈ تھا۔ فاتح البتہ ابھی میز پہ نہیں آیا تھا۔ تالیہ تلخی سے مسکرائی اور کرسی کھینچی' پھر ٹھہر گئی۔

کرسی کے قریب گھاس پہ لکیر کھنچی تھی۔ جوتے سے کھینچی گئی یہ لکیر کسی دوسرے کسی شخص کو نہ نظر آتی شاید..... لیکن وہ تالیہ تھی۔ اس کا کام یہی تھا۔ لکیریں کھینچ کے اپنی یاددہانی کرنا کہ کس جگہ کھڑے ہونا ہے۔ ایسا پوائنٹ جہاں سے کوئی خاص شے دکھائی دیتی ہو۔ چونک کے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

لکیر والی جگہ پہ ابھی کوئی نہیں کھڑا تھا مگر یقیناً کسی نے وہ جگہ مختص کر رکھی تھی۔ وہ آہستہ سے اس جگہ پہ کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے گھومنے لگی۔ یہاں سے کیا نظر آتا تھا؟ میز کی طرف گھومی تو سامنے وان فاتح کے نام کی خالی کرسی تھی۔ کون تھا جو فاتح کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا تھا؟ وہ خاموشی سے اپنی جگہ آ بیٹھی۔ دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

ان سے فاصلے پہ بفے ٹیبل کے قریب اشعر کھڑا تھا۔ سفید کوٹ میں ملبوس' گلاس اٹھائے' وہ ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا' شاندار لگ رہا تھا۔ عصرہ کے جلے بھنے انداز پہ بھی اس کی مسکراہٹ نہیں جا رہی تھی۔

''میں کسی سوشلائیٹ کو اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ اسے اپنے ساتھ پارٹی پہ لے آؤں۔ ویسے بھی فاتح کو اس لڑکی کا ہمارے گھر آنا جانا پسند

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

نہیں ہے۔ اب مجھے بتاؤ میں اسے کیوں ساتھ لائی ہوں؟ ہمیں تو اس سے صرف نیلامی کی حد تک مطلب تھا۔'' عصرہ شدید برے موڈ میں تھی۔

''کاکا!'' اس نے مسکرا کے بہن کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے دبایا۔ ''آپ کے شوہر نے جو بکھیڑا پھیلایا ہے' اس کو صاف کرنے کے لئے مجھے اس کی ضرورت تھی۔''

عصرہ کی پیشانی کے بل ڈھیلے پڑے۔ آنکھوں کی خفگی' خفت میں بدلی۔ ''مجھے بہت افسوس ہے اس کے لئے۔''

''صرف افسوس کافی نہیں ہے کاکا۔ آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ آپ مجھے پردھان منتری دیکھنا چاہتی ہیں یا آبنگ کو۔'' وہ مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں بولا تو عصرہ نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''صرف تمہیں' ایش۔ میں فاتح کو اس جنون کے ہاتھوں مزید تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ وہ غصے میں تھا اور مجھے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ کہنا پڑا کہ ہم امریکہ نہیں جارہے۔ وہ تو مجھے چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔''

''وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔''

''وان فاتح صرف وان فاتح سے محبت کرتا ہے' ایش!'' وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔ اس نے اپنے محبوب وان فاتح کو طاقت کی کرسی پہ بٹھانا ہے۔ بس۔''

''اور اس کام سے اسے روکنے کے لیے آپ کا امریکہ جانا ضروری نہیں ہے' صرف ان کا اس دوڑ سے نکلنا ضروری ہے۔'' اس کے قریب جھکے وہ سرگوشی میں بولا۔ ''اور صرف آپ یہ کام کر سکتی ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' وہ چونکی۔

''آبنگ کے پاس فنڈز نہیں ہیں۔ وہ نہ قرض لیں گے' نہ عطیہ۔ پہلے وہ مجھ پہ انحصار کیے ہوئے تھے' مگر حال ہی میں جو آگ لگی تھی' ظاہر ہے وہ ایکسیڈنٹ تھا' اس کے بعد ان کے پاس پیسوں کی شدید کمی ہو چکی ہے۔ ایسے میں وہ ملاکہ والا گھر بیچنے کا سوچ رہے ہیں....''

''واٹ؟'' عصرہ کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''سنہاؤ کا گھر؟ تین خزانوں والا گھر؟ یہ تمہیں کس نے کہا؟''

''جس نے بھی کہا۔ غلط نہیں کہا۔''

''وہ اس کے بابا کی وراثت تھی۔ وہ اس کو عزیز ہے۔ میں اسے وہ نہیں بیچنے دوں گی' ایش۔'' عصرہ کی آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

اشعر نے گہری سانس لی۔ ایک نظر اطراف کا جائزہ لیا۔ لوگ اب اٹھ اٹھ کے بفے کارنرز کی طرف آ رہے تھے۔ وہ عصرہ کے کان کے قریب جھکا۔ ''اگر آپ آبنگ کو اس جنون سے بچانا چاہتی ہیں' اگر اپنے بچوں کو آریانہ کی طرح کھونا نہیں چاہتیں' تو آپ کو میرے لئے.... اپنے لئے.... ایک چوری کرنی ہوگی۔''

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''ہاں تم نے فون پہ یہ کہا تھا کہ مجھے آج فاتح کے لاکر سے کچھ چرانا ہوگا۔اب بتاؤ' کیا چیز؟ کیونکہ میں تیار ہوں۔'' وہ گردن کڑا کے عزم سے بولی تو وہ اس کی آنکھوں میں تپش دیکھ سکتا تھا۔

تالیہ کھانے ڈالنے کی بجائے لان کے ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی اور کلچ کھولا۔اس میں ایک موٹے ہیرے والی انگوٹھی پڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے یہ عصرہ کی انگلی میں تھی اور عصرہ ابھی تک ناواقف تھی کہ یہ تالیہ اتار چکی ہے۔وہ ہلکا سا مسکرائی اور موبائل نکال کے نمبر ملایا۔ داتن نے پہلی گھنٹی پہ اٹھالیا تھا۔

''تم غلط ہولیانہ صابری اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ بھلے تم نے میرے لئے ہی کیا' جو کیا' مگر میں تمہیں اس لئے فون نہیں کر رہی کہ....'' داتن کا ہیلو سنتے ہی وہ (مصنوعی) خفگی سے تیز تیز بولتی گئی۔

''بسکٹوں میں میٹھا زیادہ تو نہیں تھا؟'' وہاں سے بے نیازی سے پوچھا گیا۔

''پتہ نہیں۔میں نے کون سا چکھے تھے۔''

''تو آدھا ڈبہ خالی کیوں ہے؟'' تالیہ نے بے اختیار فون کو گھورا۔(موٹی پھر سے میرے گھر میں بیٹھی ہے؟ ہونہہ۔)

''مجھے کیا پتہ۔تم نے دیا ہی آدھا ہوگا۔'' کلس کے بولی۔

''اچھا....مجھے معاف کر دو۔میں نے غلط کیا مگر تمہارے لئے ہی کیا۔اب بھی نہیں چاہتی کہ تم اس ملعون چابی کا پیچھا کرو لیکن اگر تم کرنا ہی چاہتی ہو تو یاد رکھو' تمہیں ایڈم سے چھٹکارا پانا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''کسی کا کچھ چرا کے اس کے کوٹ میں ڈال دو۔جب اس کے پاس سے برآمد ہوگا تو اس کا اعتبار اور نوکری ختم ہو جائے گی اور وہ تمہارا راز نہیں کھول سکے گا۔''

''ہاں....عصرہ کی انگوٹھی کا انتظام کرلیا ہے میں نے۔ایڈم کی نوکری ختم کروانی پڑے گی آج۔'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔نظریں اس میز پہ جمی تھیں جہاں اب فاتح اور عصرہ آکے بیٹھ چکے تھے اور اس لکیر والی جگہ پہ....فاتح کا سیکرٹری عثمان ہاتھ باندھے آکھڑا ہوا تھا۔کھانا کھاتے ہوئے فاتح کے عین سامنے۔

''داتن....ایک بات بتاؤ....اور ہاں' تمہیں معاف نہیں کیا میں نے ابھی....اچھا بتاؤ....ہم نے جب اس سنگاپوری میئر کو اسکام کیا تھا تو ایک سیاسی ٹرم ہم نے سنی تھی...ٹریکر....ذرا مجھے یاد کراؤ....کیا ہوتا ہے ٹریکر؟'' وہ آنکھیں عثمان سے ہٹائے بغیر بولی۔عثمان کی شرٹ کا دوسرا بٹن قدرے مختلف سا تھا۔اتنے فاصلے سے بھی صرف ایک نظر دیکھ کے ہی تالیہ بتا سکتی تھی وہ بٹن کیمرہ کس کوالٹی کا تھا۔

''ٹریکر؟ ٹریکر بنیادی طور پہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو موبائل کیمرے یا بٹن کیمرے یا پین کیمرے وغیرہ آن کر کے کسی سیاستدان کے پاس نجی محفلوں میں جا بیٹھتے ہیں اور سیاستدان ٹھہرے سدا کے شوباز قسم کے لوگ....ان کو بولنے کا شوق ہوتا ہے....موضوع کو خاص سمت موڑو اور سیاستدان کو کسی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنے پہ مجبور کر دو۔جیسے بچے اپنے دوستوں میں بری زبان استعمال کر لیتے ہیں مگر کبھی نہیں چاہتے کہ والدین کو پتہ چلے۔سو سیاستدان اپنے دوستوں میں وہ کمنٹ بھی پاس کر دیتا ہے جو وہ عوام یا میڈیا کے سامنے نہیں کرتا

۔اس کی ویڈیو میں سے ایک آدھ فقرے کی چھانٹی کرو۔اور یوٹیوب پہ لگادو۔کسی بھی سیاستدان کے کیریئر کو ایسی ٹریکر ویڈیوز سے اچھا خاصا نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''تو سیاستدانوں کو بھی سوچ سمجھ کے بولنا چاہیے۔''

''ہر انسان غلطی کرتا ہے تالیہ مگر ہماری غلطیاں پرائیوٹ ہوتی ہیں اور سیاستدانوں کی غلطیاں پبلک۔مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''فاتح کا سیکرٹری شاید فاتح کے لئے نہیں اشعر کے لئے کام کرتا ہے۔وہ اس وقت خود ٹریکر بنا ہوا ہے۔گھائل غزال کے پیچھے بھی اشعر تھا اس کے پیچھے بھی ہوگا۔'' وہ دلچسپی سے دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔تو یہ تھا پارٹی کا مقصد۔انٹرسٹنگ۔

''تالیہ....یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے۔اس کی فکر چھوڑو۔تم ایڈم کا بندوبست کرو۔''

''زیادہ حکم نہ چلاؤ۔میں ابھی تک ناراض ہوں تم سے۔''

''میں تو بس میری بچی یہی بتانا چاہتی تھی کہ بسکٹ میں میں نے ڈائٹ شوگر کی جگہ اصلی شوگر ڈالی ہے۔''

''کیا؟'' تالیہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔''یا اللہ' داتن تمہیں اندازہ ہے میں نے کتنے کھا لئے؟ اف اتنی کیلوریز۔''

''تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم نے چکھے تک نہیں۔'' مگر تالیہ غصے سے بول رہی تھی۔

''میں' لیا نہ صابری' تمہیں اپنی حرام اور حلال دونوں کی کمائی سے عاق کرتی ہوں۔بات مت کرنا اب مجھ سے۔'' غصے سے فون رکھا تھا۔اُف...آج ان کیلوریز کو برن کرنے کے لیے زائد ورک آؤٹ کرنا پڑے گا۔اُف اُف۔

میز پہ تمام افراد بیٹھ چکے تھے اور کھانا کھایا جا رہا تھا۔خوش گپیاں جاری تھیں۔تالیہ کھانا لے کر آئی تو سب کسی بات پہ ہنس رہے تھے جو یقیناً فاتح نے کہی تھی۔(اور یقیناً اسے عثمان کے کیمرے نے محفوظ کر لیا تھا۔) اشعر نے سب کو سیلفی کے لیے متوجہ کیا۔وہ بھی پلاسٹک کی گڑیا کے انداز میں مسکراتی رہی اور اشعر نے سیلفی اتاری۔سب واپس باتوں میں مصروف ہو گئے تو اشعر مسکرا کے آبنگ کی طرف جھکا۔''ابھی ابھی اسی صحافی لڑکی نے وہ ساری خبر ٹویٹ کر دی ہے۔پوری کیس رپورٹ بنائی ہے۔میرے کسی پرانے دوست تک کا انٹرویو شامل کر لیا ہے۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔''برا ہوا۔''

''اوہ آبنگ....جیسے مجھے اندازہ ہی نہیں کہ وہ نوکری جانے کے بعد سب سے پہلے آپ کے پاس گئی ہوگی مگر آپ نے اس کو ایسا جواب دیا ہوگا کہ اس نے غصے میں آ کر خبر بریک کر دی۔رپورٹرز کو لگتا ہے وہ سیاستدانوں کو تپاتے ہیں اور جواب اگلواتے ہیں۔مگر سیاستدانوں کو رپورٹرز کو تپانا زیادہ اچھا آتا ہے۔'' اس کے قریب جھکے بظاہر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔فاتح نے چاولوں سے بھرا چمچ منہ میں رکھتے ہوئے سر ہلایا۔

''جیسا کہ میں نے کہا.... برا ہوا۔'' پھر منہ میں ذائقہ گھلا تو خوشگوار حیرت سے اشعر کو دیکھا۔ ''کھانا بہت اچھا ہے۔''

''جی... بلواتا ہوں آپ کو شیف سے۔'' اشعر نے ایک دم چٹکی سے رملی کو اشارہ کیا جو فوراً سر ہلا کے آگے بڑھ گیا۔ عصرہ نے دبی دبی سی مداخلت کی۔ ''شیف کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' مگر اشعر نے ان سنا کر دیا۔ فاتح اب شوق سے کھا رہا تھا۔

تالیہ کھا کم رہی تھی' ان سب کے تاثرات زیادہ پڑھ رہی تھی۔ غور سے' خاموشی سے۔ پھر پل بھر کو گفتگو میں وقفہ آیا تو وہ کھنکھاری۔

''فاتح صاحب.... مجھے سیاست کی اتنی سمجھ تو نہیں جتنی اس میز پہ بیٹھے دوسرے لوگوں کو ہو گی.....'' بلند آواز اور مضبوط لہجے میں بات کا آغاز کیا تو تمام افراد کھانا جاری رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگے.... ''مگر کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کی پہچان نہیں ہے؟ کیا آپ کو تھوڑا سا زیادہ شاطر نہیں ہونا چاہیے تھا تاکہ آپ غلط لوگوں پہ بھروسہ کر کے دھوکہ نہ کھائیں؟''

''تمہارے خیال میں انسانوں کی پہچان رکھنا اور شاطر ہونا بہت ضروری ہے' تاشہ؟'' وہ ہاتھ روک کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھنے لگا۔ ''تالیہ!'' اشعر نے تصحیح کی مگر کسی نے نہیں سنا۔

''سیاستدان کے لئے تو بہت ضروری ہے' سر۔ گھاگ اور شاطر ہونا۔''

فاتح مدھم سا مسکرایا۔ ''سیاستدان کے لیے؟ ہاں۔ مگر لیڈر کے لئے.... وژنری کے لئے.... جانتی ہو کیا ضروری ہے؟'' نظریں تالیہ کی آنکھوں پہ تھیں۔ ''ایک مقدس کاز کا ہونا۔ نظریے اور اصولوں کا ہونا.... مجھے انسانوں کی پہچان یا شاطر پن کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس ایک کاز ہے' کہ مجھے اپنے ملک کو صوفیہ رحمٰن جیسے چوروں سے پاک کرنا ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں گھاگ نہیں ہوں اور لوگ مجھے دھوکہ دے کر چھوڑ جاتے ہیں مگر میں اس چیز کو ایسے نہیں دیکھتا۔''

''آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں؟'' صبح والی توہین بھلائے وہ بےخودی اسے دیکھے گئی۔

''میں جس آنکھ سے دنیا کو دیکھتا ہوں تاشہ' وہ کہتی ہے کہ جو لوگ میرے کاز کے ساتھ مخلص ہوں گے' وہ آخر تک میرے ساتھ رہیں گے' اور جو دھوکے باز' غیر مخلص' بددیانت لوگ ہیں' وہ خود ہی ساتھ چھوڑتے جائیں گے۔ جیسے چھلنی سے کنکر چھن جاتے ہیں۔''

وہ لمحے بھر کو بالکل لاجواب ہو گئی۔ مگر پھر.... کھنکھاری۔ ''مگر تب تک وہ لوگ آپ کو کتنا نقصان پہنچا چکے ہوں گے' یہ سوچا کبھی آپ نے؟''

''وہ مجھے اس لئے نہیں چھوڑ جاتے کیونکہ میں سادہ ہوں اور وہ مجھے دھوکہ دے ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ نہیں۔'' وہ لقمہ چبانے کو رکا' پھر اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''لوگ میرے ساتھ اپنے مفاد کے لیے اپنی مرضی سے آتے ہیں۔ کسی کا مفاد خود غرض ہوتا ہے' کسی کا بے غرض۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ مجھے اور میرے نظریے کو نہیں بدل سکتے' تو وہ چھوڑ جاتے ہیں۔ لیڈر بننے کے لئے شاطر ہونا ضروری نہیں ہوتا.... نہ جھکنے والا کردار ہونا ضروری ہوتا ہے۔''

''اشعر صاحب۔'' گفتگو کو مخل رملی کی آواز نے کیا تو سب اس طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ایڈم اور ایک ادھیڑ عمر اسکارف والی عورت کو لا رہا

تھا۔عورت پرسکون اور سادہ لگتی تھی البتہ ایڈم خفیف زدہ نظر آرہا تھا۔(ماں کو ان لوگوں سے ملوانے کی کیا ضرورت تھی؟ خواہ مخواہ کی شرمندگی۔)

مگر تالیہ دیکھ سکتی تھی کہ رملی نے ایڈم کو وہیں کھڑا کیا جہاں کچھ دیر پہلے عثمان کھڑا تھا۔(کل کو وان فاتح کی کوئی ٹریکر ویڈیوز ریلیز ہوئی تو فوٹوگرافز میں اس اینگل پہ کون کھڑا نظر آئے گا؟ ایڈم! یعنی الزام ایڈم پہ لگایا جائے گا۔ واہ۔) تلخی سے سر جھٹکا۔

''اچھا.... یہ کھانا ایڈم کی والدہ نے بنایا ہے؟''عصرہ نے حیرت سے اشعر کو دیکھا تھا۔وہ مسکرایا اور ایڈم کی ماں کو دیکھا۔

''میں آپ لوگوں سے مسز محمد کا تعارف کروانا چاہتا تھا کیونکہ ان کو نوکری کی ضرورت ہے اور ان کا کھانا آپ چکھ ہی چکے ہیں۔میری سفارش بھی ساتھ ہوگی۔''

فاتح ابھی تک چاول کھا رہا تھا۔قدرے بے نیاز سا۔بس مسکرا کے ایک دفعہ دیکھا' پھر کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔دوسرے افراد نے سر ہلا کے توصیفی کلمات کہے۔عصرہ نے بھی بظاہر خوش دلی سے تعریف کی۔تالیہ البتہ دلچسپی سے آدھی گھوم کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں اپنے دوستوں میں پتہ کروں گی۔کسی کو ضرورت ہوئی تو پہلا نام آپ کا تجویز کروں گی مسز محمد۔کھانا واقعی بہت اچھا ہے۔''ایک نظر قدرے خفیف سے کھڑے ایڈم کو بھی دیکھا۔

''آپ کا شکریہ' میڈم!''عورت سادگی سے مشکور ہوتی نظر آئی۔

''ایڈم کے بھی بس دو دن رہ گئے نوکری کے۔آگے کیا ارادہ ہے تمہارا ایڈم؟''اشعر نے نرمی سے پوچھا۔وہ ایڈم کے وہاں کھڑے ہونے کے دورانیے کو بڑھانا چاہتا تھا' سو بات کو طول دے رہا تھا۔

''سر.... میں نوکری ڈھونڈ رہا ہوں۔''

''اور اگر نوکری نہ ملی تو؟''

''میرے والد اسٹور پہ کام کرتے ہیں' وہاں بیٹھ جاؤں گا پھر۔''وہ نظریں جھکا کے متانت سے بولا۔

''اسٹور میں بیٹھنے سے تو تمہارے مستقبل کے روشن ہونے کے کوئی امکان نہیں ہیں۔''اشعر ٹیک لگائے' افسوس سے بولا تو اسکارف والی عورت بول اٹھی۔

''ایڈم کا مستقبل بہت روشن ہے' اشعر صاحب۔''

''اور یہ آپ کو کیسے پتہ؟''تالیہ نے دلچسپی سے گفتگو میں مداخلت کی۔

''ایڈم کے ساتھ اس کے تایا کی دعائیں ہیں۔''ابھی وہ اتنا بول پائی تھی کہ ایڈم نے ہڑبڑا کے اسے دیکھا۔(نہیں ماں.... اللہ کا واسطہ ان لوگوں کے سامنے نہیں۔) گھبرا کے آنکھوں میں منت کی مگر ماں سب کو متوجہ دیکھ کے بات جاری رکھے ہوئے تھی۔''ایڈم کے تایا اس کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔ان کو سچے خواب بھی آتے تھے۔انہوں نے....''مگر ایڈم کی آنکھوں کی منت دیکھ کر وہ چپ ہوگئی۔

''کوئی خواب دیکھا تھا انہوں نے ایڈم کے بارے میں؟'' تالیہ نے چونک کے بات پکڑی۔ ابو کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''جی میڈم۔ جب یہ بہت چھوٹا سا تھا تو انہوں نے اس کے بارے میں کوئی اچھا خواب دیکھا تھا۔ بتایا نہیں کبھی۔ بس ہر وقت دعا کرتے تھے کہ (یہاں پہ ایڈم نے مارے شرمندگی کے آنکھیں بند کر دیں) ایک دن آئے گا جب ایڈم محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز بتا دے گا' اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔''

اس میز پہ چند ممبرز پارلیمنٹ اور سینیٹرز اپنی بیویوں کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ عثمان ژلی جیسے مضبوط نوکریوں والے لوگ بھی پیچھے کھڑے تھے جن کی عام لوگ سیاستدانوں سے ایک ملاقات کے لیے منتیں کرتے تھے۔ ایسے طاقتور لوگوں کی میز پہ پہلے تو خاموشی چھا گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ فاتح بھی ہنسا تھا اور ایڈم شرم سے زمین میں گڑ گیا۔ سب نے اس بات کو انجوائے کیا تھا۔

''آمین۔'' قہقہہ تھما تو تالیہ کی آواز گونجی۔

میز پہ یکدم خاموشی ہوئی۔ تمام گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ اور وہ ایڈم کی ابو کو دیکھ رہی تھی۔ صرف وہ نہیں ہنسی تھی۔

''ثم آمین!'' وہ حوصلہ افزاء انداز میں مسکرا کے ابو سے کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے بے یقینی سے نظر اٹھائی۔ اسے لگا تالیہ نے طنز کیا ہے مگر اس کا چہرہ کسی بھی کھوٹ سے پاک لگ رہا تھا۔

''آپ میرے معزز دوستوں کے قہقہے کا برا نہ منایئے گا مگر یہ ایسا ناممکن بھی نہیں ہے مسز محمد۔ اس دنیا میں اگر لوگوں کو سچے خواب آ سکتے ہیں تو وہ سچ بھی ہو سکتے ہیں۔ اب اشعر صاحب کے دادا کو ہی لے لیجیے۔'' ہاتھ سے اشارہ کیا۔''وہ چائے کی پتی کا کام کرتے تھے۔ آٹھ بائی دس کی چھوٹی سی دکان تھی اور اب ان کا گھر دیکھیں۔ (اشعر اور عصرہ دونوں کے ماتھے پہ ایک جیسے بل پڑے)۔ سینیٹر ذکری کو لے لیں۔ ان کے والد بجلی کے محکمے میں میٹر ریڈر تھے۔ اور یہ ممبر پارلیمنٹ لائی کھنوی صاحب بیٹھے ہیں جن کا قہقہہ سب سے اونچا تھا۔ یہ جوانی کے دنوں میں اخبار بیچا کرتے تھے۔ وہ بھی سائیکل پہ۔ خود اپنے انٹرویوز میں بتاتے ہیں اور اب یہ انہی اخباروں کی سرخیوں میں آتے ہیں۔ اور وان فاتح کو ہی لے لیں....'' نظریں گھما کے فاتح کو دیکھا جو دوسروں کی طرح بھنویں اکٹھی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''ان کے والد....''

''وکیل تھے' معزز تھے' خوشحال تھے اور عزت دار زندگی گزارتے تھے۔'' فاتح نے برہمی سے فقرہ مکمل کیا مگر تالیہ نے بات جاری رکھی۔

''ان کے والد وکیل تھے معزز اور خوشحال تھے مگر کافی شاطر اور گھاگ بھی تھے۔ لوگوں کو خوش رکھتے تھے۔ مگر فاتح صاحب ایسے نہیں ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے کردار اور قد کا تعین اس کے باپ کی وراثت نہیں اس کی اپنی قسمت اور محنت کرتی ہے۔'' وہ اٹھی اور کرسی پیچھے کی۔ سب اس کو ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔ پہلو بدل رہے تھے۔ مگر کسی نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔

''میں چلتی ہوں۔ دعوت کا شکریہ اشعر صاحب۔'' پھر ٹھہری اور عصرہ کو مخاطب کیا۔ ''آپ کی کرسی کے ساتھ ایک انگوٹھی پڑی ہے۔ کیا

آپ کی ہے؟''عصرہ جو خفا لگ رہی تھی، چونکی۔گردن گھمائی۔گھاس پہ انگوٹھی سامنے ہی دمک رہی تھی۔سر جھٹک کے اسے اٹھایا اور بادل نخواستہ بولی۔''تھینک یو تالیہ۔''

تالیہ نے بھی ایک مصنوعی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ان سارے مصنوعی، اونچے، طاقتور لوگوں میں ایک وہی قدرتی سی لگی تھی۔ایک دم اس کی ڈھال بن کے آ گئی۔اور جیسے اس کو کسی کموڈو ڈریگن سے بچالے گئی ہو۔

اب وہ چلتی ہوئی لان میں آگے جا رہی تھی۔میز پہ اشعر نے مسکرا کے کوئی اور بات چھیڑ دی مگر ایڈم ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔راستے میں وہ عثمان سے ٹکرائی مگر سنبھل گئی۔عثمان نے معذرت کی تو وہ اٹس او کے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔تب ایڈم کو یاد آیا کہ اس کی کار تو فاتح کے گھر کھڑی تھی۔وہ گھر کیسے جائے گی؟وہ اجازت لے کر اس کی طرف بھاگتا آیا۔

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔سڑک کنارے۔سرخ لباس میں کلچ اٹھائے۔خاموش، گم صم۔ایک دم گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا تو انگلی سے اشارہ کیا یعنی ادھر آؤ۔ کوئی رعب سا تھا اس میں جو وہ دوڑا چلا آیا۔''جی، جی تالیہ۔''اس کے دھوکے، جھوٹ سب بھول گیا۔یاد رہا تو صرف یہ کہ وہ ڈھال بنی تھی۔

''میں نے کیب منگوائی ہے۔میری کاروان فاتح کے گھر کھڑی ہے۔میں عصرہ بیگم کے ساتھ آئی تھی۔میری کار میرے گھر پہنچا دینا۔'' چابی اس کی طرف بڑھا کے تحکم سے بولی۔

تبھی ایک لگژری کیب سامنے آ رکی۔باوردی ڈرائیور نے باہر نکل کے دروازہ کھولا تو ایڈم نے جلدی سے چابی تھام لی اور تالیہ کار میں سوار ہو گئی۔اس کے انداز میں سب شاہانہ تھا۔مگر ایڈم کو آج لگا کہ اگر وہ ذرا سا کھرچے تو اندر سے ایک عام مڈل کلاس لڑکی نکلے گی۔

وہ اسی طرح اسے یک ٹک دیکھے گیا....یہاں تک کہ کار دور نکل گئی۔

☆☆==========☆☆

لگژری کیب کوالالمپور کی سڑک پہ رواں دواں تھی۔تالیہ پچھلی سیٹ پہ خاموش بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی جہاں سیاہ رات میں اونچی روشن عمارتوں والا شہر دور تک پھیلا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور پرس کھول کے سنہری زنجیر نکالی جس کے آگے ڈلی سی جڑی تھی۔عصرہ کا بریسلیٹ جواب اس کا لاکٹ تھا۔کوئی عجیب اسرار سا تھا اس میں۔جیسے اس کی یادوں کا پنجرہ ہو۔جیسے اس کے ماضی کا مقبرہ ہو۔

تالیہ نے اسے گردن میں ڈالا اور کنڈا بند کیا۔لمحے بھر کی دیر تھی کہ....زنجیر نے اس کی گردن کو مقید کیا اور.....

کوالالمپور کی سیاہ روشن رات اردگرد سے غائب ہوتی گئی.....

تیرہ سالہ تالیہ درختوں کے درمیان ایک ڈوبتی شام میں پہنچ گئی....وہ خود کو نہیں دیکھ سکتی تھی....بس اپنے کندھوں پہ آگے کو گرے لمبے بال

اور مٹیالا لباس دکھائی دیتا تھا... منظر اس کی آنکھ سے دیکھا جا رہا تھا۔

اس نے خود کو پتوں سے ڈھکی زمین پہ بیٹھے پایا... چوکڑی مار کے.... ہاتھوں میں ٹوٹا ناریل تھا جس میں پانی بھرا تھا۔ وہ اسے لبوں کے قریب لے گئی اور اوپر اٹھا کے ہونٹوں کے اندر انڈیلا... ٹھنڈا میٹھا پانی.....

''تالیہ!'' پکار پہ وہ جو ناریل کے پیالے سے پانی پی رہی تھی، رکی اور گردن موڑی۔ وہی دبلا پتلا آدمی چلا آرہا تھا۔ لکڑیوں کا گٹھا کندھے پہ اٹھائے، وہ پسینے میں بھیگا تھا۔ ''چلو۔ گھر چلیں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ایک جالی دار تھیلا اٹھا لیا جس میں ناریل سے بھرے تھے۔

''بابا'' دونوں درختوں کے درمیان سے گزرتے پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے جب اس نے پکارا۔ مراد نے قدم اٹھاتے ہوئے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ ''کیا؟''

''تمہاری چابی تیار ہو جائے گی تو ہم خزانے کے مالک بن جائیں گے کیا؟''

''میں نے کہا تھا، میں یہ ذکر نہیں سننا چاہتا۔'' مراد کے ابرو بھنچ گئے۔

''مگر گاؤں کے لوگ....''

''کوئی اور بات کرو تالیہ۔'' اس نے خفگی سے گھر کا تو وہ چپ ہو گئی۔ تھیلا کندھے پہ لادے چلتی گئی۔ سر خفگی سے خوب خوب جھکا لیا۔

''کیا تم کل شکار پہ چلو گی میرے ساتھ؟'' کچھ دیر بعد اس نے نرمی سے پکارا۔

''نہیں۔'' وہ نروٹھے پن سے قدم اٹھاتی رہی۔ اونچے درختوں کے درمیان گیلی زمین پہ وہ چلتے جا رہے تھے۔ جیسے کوئی جنگل ہو۔ درختوں کے اوپر آسمان پہ سورج ڈوبتا دکھائی دیتا تھا۔ اندھیرا پھیلنے کو تھا۔

''ادھر سے مڑ جاؤ۔'' وہ اپنی دھن میں آگے چلتی جا رہی تھی۔ مراد نے شانے سے پکڑ کے موڑا تو وہ چونکی۔

''ہم نے اس طرف نہیں جانا؟''

''نہیں بے وقوف ہم دوسری طرف سے آئے تھے۔''

''جنگل میں سارے راستے ایک سے ہیں بابا۔ تمہیں راستہ کیسے مل جاتا ہے؟'' وہ ناراضی بھول کے پوچھنے لگی۔

''کیونکہ میں زمین کو نہیں دیکھتا۔ آسمان کو دیکھتا ہوں۔ راستہ اوپر دیکھنے والوں کو ہی آسانی سے ملتا ہے۔ وہ دیکھو۔'' اس نے درختوں سے دور اوپر انگلی اٹھائی تو لڑکی سر اٹھا کے دیکھنے لگی۔

''وہ تارہ.... اس کو دائیں ہاتھ رکھو گی اور سیدھ میں چلتی جاؤ گی تو ہم گاؤں پہنچ جائیں گے۔ غور سے دیکھو۔''

''میرے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے بابا۔ تمہیں راستہ معلوم تو ہے۔'' وہ لاپرواہی سے کندھے اچکاتی سامنے دیکھ کے چلنے لگی۔

''میں تمہیں سکھانا چاہ رہا ہوں بیٹے.... اگر کبھی کھو جاؤ.... جنگل میں یا کسی دور کی جگہ پہ تو اس ستارے کو... غور سے دیکھو۔'' اس نے

زبردستی اس کا سر اٹھایا تو وہ اوپر دیکھنے لگی۔

''اس کو دائیں ہاتھ رکھو اور یوں سیدھ میں چلتی رہو۔ کسی راہ گیر' کسی مسافر' کسی کی مت ماننا۔ صرف اپنے بابا کی بات یاد رکھنا۔ اور صرف اس تارے پہ بھروسہ کرنا...'' منظر مدھم پڑتا گیا.... بوجھ سا بڑھتا گیا تو اس نے بے اختیار لاکٹ نوچ اتارا۔

''آپ کی منزل آ گئی' میم!'' ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ کوالالمپور کی چمکتی' جاگتی رات میں واپس آ چکی تھی۔

جھرجھری سی لے کر اس نے سر جھٹکا اور سنبھل کے اتری۔ سامنے حالم کا اونچا بنگلہ کھڑا تھا۔

اور کوئی وہاں اس کے انتظار میں موجود تھا۔

☆☆=========☆☆

فاتح پارٹی سے آتے ہی اپنی اسٹڈی میں چلا گیا تھا' جبکہ عصرہ گھر کے بیرونی پورچ میں کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ خاموشی سے ایڈم کو دیکھ رہی تھی جو تابعداری سے بتا رہا تھا۔

''چےتالیہ نے اپنی کار کی چابیاں دی ہیں۔ ان کے گھر ڈراپ کر آؤں کار؟''

''ہوں۔ کر آؤ۔ اور سنو۔'' آہستہ سے بولی۔ ''مگر فاتح کو بالکل پسند نہیں کہ اس کا باڈی مین دوسری امیر خواتین کا پوڈل (پالتو کتا) بن جائے۔ اگر کوئی پوچھے تو کہنا' تالیہ خود لے گئی تھی کار۔ تمہاری جاب کے دو دن رہ گئے ہیں' فاتح سے ڈانٹ نہ کھاؤ تو اچھا ہے۔''

''میں خاموش رہوں گا' میڈم!'' ایڈم نے سمجھداری سے سر تسلیم خم کیا تو عصرہ نے ہاتھ سے برخاست ہونے کا اشارہ کیا۔

اوپر وان فاتح اپنی اسٹڈی میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ کوٹ اتار چکا تھا اور آستینوں کے کف موڑ رکھے تھے۔ آنکھوں پہ عینک لگی تھی اور نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔

موبائل بار بار بج رہا تھا جس کو وہ نظر انداز کر رہا تھا۔ بالآخر تنگ آ کے اس نے اٹھالیا۔

دوستوں' عزیزوں کے ایک ساتھ پیغامات آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے چونک کے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج چکے تھے۔ نیا دن شروع ہو گیا تھا۔

''آریانہ بنتِ فاتح کی یاد میں۔''

''خدا کرے آپ کی بیٹی جو آج کے روز چھ سال پہلے کھوئی تھی' کسی اچھے گھرانے کو مل گئی ہو۔''

''آریانہ جہاں بھی ہو' اللہ اسے خوش رکھے اور آپ سے دوبارہ ملا دے۔''

وہ سب آریانہ کے نام کے پیغامات تھے۔ دعائیں۔ گڈ لک میسیجز۔ وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ پڑھتا گیا۔ چند ایک کو شکریہ لکھ کے بھیجا۔

پھر ایک دم دل ایسا اداس ہوا کہ اس نے عینک اتار دی اور ٹیک لگا لی۔ بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر کے پیچھے رکھ لیا۔ مسکراتی غمزدہ نگاہیں

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

سامنے دروازے پہ جمی تھیں۔ سفید نکھرا نکھرا سا دروازہ... جیسے سفید دودھیا لباس ہو... کسی پری جیسا...

''میرا کریڈٹ کارڈ!'' وہ دونوں ہال میں اوپر تک جاتی کرسیوں کے وسط میں بیٹھے تھے جب فاتح نے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے ہتھیلی اس کی طرف پھیلائی۔ ساتھ بیٹھی آریانہ نے جھٹ سے کارڈ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ ہیر بینڈ لگائے وہ خوش اور پر جوش نظر آتی تھی۔

ان کی نشستیں اندھیرے میں تھیں۔ روشنی اسٹیج پہ تھی۔ جہاں ڈرامے کا ایکٹ جاری تھا۔ کردار اپنے اپنے مکالمے بول رہے تھے۔

''ان میں سے تاشہ آگاپوا کون ہے؟'' اس نے آریانہ کی طرف جھک کے سرگوشی میں پوچھا۔ وہ جو ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ رکھے، دلچسپی سے اسٹیج پر فارمنس دیکھ رہی تھی، مداخلت پہ بدمزہ ہوئی اور خفگی سے نگاہیں موڑیں۔

''آپ کو ابھی تک کہانی نہیں سمجھ آئی' ڈیڈ۔''

''مجھے فکشن بور کرتا ہے بیٹا۔'' وہ بے بسی سے شانے اچکا کے بولا۔ آریانہ نے افسوس سے گہری سانس لی۔

''جو لوگ جادوئی چیزوں پہ یقین نہیں رکھتے' ان کی زندگی میں کبھی جادو آتا ہی نہیں ہے' ڈیڈ!''

''یہ تم نے خود سے کہا؟''

''اگر آپ اسٹوریز پڑھتے تو آپ کو پتہ ہوتا کہ یہ کس نے کہا تھا۔'' خفگی سے کہہ کر بتانے لگی۔ ''یہ ایک پلے ہے۔ رشین پلے۔ اس میں ایک پری ہے تاشہ آگاپوا۔''

''وہ کالے کپڑوں والی؟''

''وہ اس کا گارڈ ہے ڈیڈ' اور اس کی مونچھیں بھی ہیں۔ تاشہ سفید کپڑوں والی ہے۔'' آریانہ روہانسی ہوئی۔

''اچھا ٹھیک... آگے؟'' بظاہر سمجھتے ہوئے اس نے اسٹیج پہ کھڑی لڑکی کو دیکھا جس کے لمبے سنہرے بالوں پہ تاج رکھا تھا' اور سفید میکسی پاؤں تک آتی تھی۔ وہ گردن کڑائے کھڑی اپنے قدموں میں جھکے شخص کی بات نخوت سے سن رہی تھی۔

''تاشہ ایک رحم دل پری ہے جو دوسروں کی مدد کے لئے دنیا میں آئی ہے۔''

''مجھے تو یہ کوئی مغرور اور خشک عورت لگ رہی ہے۔ بورنگ پریٹی وومن۔'' ابرو اٹھا کے تبصرہ کیا' پھر آریانہ کا چہرہ دیکھا تو سنبھلا۔ ''میں ویسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔''

مگر آریانہ مزید کہانی سنانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ہونہہ کر کے سامنے دیکھنے لگی۔ کوئی جدید طرز کی فیری ٹیل جس کو دکھانے وہ باپ کو اس کی سالگرہ کے دن کھینچ کے تھیٹر لائی تھی۔

آریانہ کی ناراضی تھوڑی دیر برقرار رہی پھر جیسے جیسے کہانی آگے بڑھی' اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔ ایک موقع پہ اس نے جوش سے فاتح کی کلائی دبائی۔

''تاشہ کتنی پیاری ہے' ڈیڈ۔'' وہ اس گوری گلابی پھولے گالوں والی لڑکی سے نظریں ہی نہیں ہٹا پا رہی تھی۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''میں اس ہاتھ سے لکھتا ہوں' بیٹے۔''اس نے کراہ کے ہاتھ پیچھے کھینچا۔

''ڈیڈ' مجھے تاشہ کا آٹوگراف لینا ہے۔جیسے ہی شو ختم ہوگا' آپ مجھے اس کے پاس لے کر جائیں گے۔''فاتح نے بے اختیار جھرجھری لی

۔

''میں نے آج تک کسی کا آٹوگراف نہیں لیا۔اس لئے خاموشی سے بیٹھو۔''

''اچھا فوٹو تو لینے دیں۔''وہ اپنی سیٹ پہ اوپر نیچے اچھلتی دبی آواز میں منت کر رہی تھی۔اوپر نیچے بیٹھے لوگ گردنیں موڑ کے دیکھنے لگے۔

''بے بی اگر تم یونہی بولتی رہو گی تو ان بے چاروں کے ڈائیلاگ مس کر دو گی۔''

آریانہ چونکی۔پھر فوراً سیدھی ہوئی اور سب بھول بھال کے سامنے دیکھنے لگی۔

پھر کتنے ہی دن وہ تاشہ آگاپووا کی باتیں کرتی رہی۔آریانہ یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ تاشہ کوئی انسان تھی۔اس کے نزدیک وہ کوئی پری تھی۔

آریانہ فیری ٹیلز میں رہنے والی پیاری سی ننھی بچی تھی جس کی خواہش تھی کہ وہ خود بھی کسی فیری ٹیل کا کردار بن کے کتابوں میں چلی جائے۔فاتح اس کو تاشہ سے ملوانے نہیں لے کر گیا' اس بات پہ کتنے دن آریانہ نے اس سے ٹھیک سے بات نہیں کی۔

وہ ممبر پارلیمنٹ تھا۔لوگ اس سے ہاتھ ملانے دیوانہ وار قطاروں میں کھڑے ہوتے تھے۔وہ کسی عام سی اداکارہ کے پیچھے پیچھے جاتا اپنی بیٹی کے ساتھ؟نان سینس۔

مگر آریانہ کا جنون ختم نہیں ہوتا تھا۔عصرہ نے بھی اس سے شکایت کی' پھر اگلے ہفتے وہ اسے دوبارہ تاشہ آگاپووا کی نمائش پہ لے گیا۔مگر اس دفعہ ڈرامے میں جہاں دوسرے تمام اداکار وہی تھے' تاشہ کا کردار کرنے والی لڑکی کوئی اور تھی۔

آریانہ کو مزا نہیں آیا۔وہ واپسی پہ منتظم کو روک کے پوچھنے لگی۔''پچھلی دفعہ تو تاشہ کوئی اور لڑکی بنی تھی۔وہ لڑکی کہاں ہے؟''

''ہماری ایکٹرس میڈم روز کی کار خراب ہوگئی تھی' وہ آ نہیں سکی تھیں' تو ہم نے جلدی میں ایک ایکسٹرا سے یہ رول کروایا تھا۔''

آریانہ مزید اداس ہوگئی۔''تو کیا وہ دوبارہ نہیں آئے گی؟''

''نہیں۔میں تو اس کا نام بھی ٹھیک سے نہیں جانتا۔ایک ہی دن آئی اور پھر غائب بھی ہوگئی۔''

وہ آریانہ کو وہاں سے لے آیا مگر اس نے سارا راستہ فاتح سے بحث کی کہ وہ اصلی پری تھی۔

''اوکے۔مجھے کنوینس کرو کہ وہ اصلی پری کس طرح تھی؟''کار ڈرائیو کرتے ہوئے فاتح نے کھلے دل سے پوچھا تو وہ جوش میں تیز تیز بولتی گئی۔

''کیونکہ وہ غائب ہوگئی۔یعنی وہ اڑ گئی ہوگی۔اور وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی ہی لگتی تھی۔کسی کو اس کا نام تک نہیں معلوم۔''

''میں پتہ ہے کیا سوچ رہا ہوں۔''وہ تھوڑی کو دونا خنوں سے رگڑتے ہوئے بولا۔''اصلی اداکارائیں کبھی پرفارمنس مس نہیں کرتیں۔

لیکن پچھلے ہفتے اصل ایکٹرس نہیں آسکی کیونکہ اس کی کار خراب ہوگئی تھی! عجیب۔ مجھے لگتا ہے یہ کوئی اداکارہ بننے کی خواہش مند لڑکی تھی جس نے اصل اداکارہ کو کسی مشکل میں پھنسا کے آنے سے روکا ہو اور خود رول لینے پہنچ گئی ہو۔''

''آپ کا مطلب ہے وہ پری نہیں تھی؟'' وہ براماں کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جا رہی تھی۔'' آریانہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''ہر کوئی آپ کے ان....ان politicians جیسا نہیں ہوتا' ڈیڈ۔'' وہ منہ پھلا کے رخ پھیر کے بیٹھ گئی اور فاتح نے گہری سانس لی۔

''میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔''

''پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

چند ہفتوں بعد آریانہ اس کو بھول بھال گئی ....مگر وہ چہرہ ....اور وہ نام فاتح کی یادداشت میں فیڈ ہو چکا تھا۔سنہرے بالوں والی تاشہ آگاپووا۔ایک دفعہ وان فاتح سے کسی کا تعارف ہو جائے اور کسی کا کوئی امپریشن بن جائے تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتا تھا۔

اور جس لمحے اس نے عصرہ کی گیلری میں اس لڑکی کو دیکھا' وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ پہلے سے دبلی پتلی اور گروئڈ لگ رہی تھی مگر واللہ یہ وہی تھی۔ پھر اس نے سنا ایڈم نے اس سے بدتمیزی کی ہے۔ ایڈم کا خیال تھا کہ وہ تنکو کامل کے گھر کی نوکرانی کی طرح لگتی تھی۔ یہ بات ایڈم کو کسی نے پوری بولنے نہیں دی مگر فاتح سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے تنکو کامل کی نوکرانی کو نہیں دیکھا تھا' شاید چند سیکنڈ کے لئے کوئی نوکرانی اندر آئی تھی مگر اس کے کندھے کے پیچھے سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ وہ ایڈم کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا' نہ ہی عصرہ نے وہ نوکرانی دیکھی تھی مگر اس کے دل میں موجود اس لڑکی کے لئے لکھا 'فراڈ'' کا لفظ مزید گہرا نقش ہو گیا تھا۔

کچھ غلط تھا اس لڑکی میں۔ کچھ پُراسرار۔ کچھ اچھوتا۔

''وہ پری ہے' ڈیڈ۔ یا پھر کوئی شہزادی۔ آپ مانیں یا نہ مانیں!'' آریانہ چپکے سے کان میں بولی تو وہ سوگواریت سے مسکرا دیا۔ ماضی غائب ہو گیا تھا اور وہ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا تھا.....

موبائل پہ آریانہ کے لئے پیغامات ہنوز آرہے تھے۔ اس نے پھر سے عینک لگائی اور ان کو پڑھنے لگا۔

☆☆=========☆☆

اشعر محمود کے اونچے قلعے کے لان میں کیٹرنگ والے چیزیں سمیٹ رہے تھے۔ صفائی جاری وساری تھی۔ قلعے کے اندر آؤ تو گول لاؤنج میں وہ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگیں قینچی صورت میز پہ رکھی تھیں اور ٹائی ڈھیلی کر رکھی تھی۔ ہاتھ میں موبائل تھا جس پہ وہ فاتح کو پیغام لکھ رہا تھا

''آریانہ کو اللہ آپ سے دوبارہ ملا دے۔ آمین۔'' پیغام جانے کے چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا.... ''شکریہ ایش!''

اشعر نے موبائل پرے ڈالا اور گردن اٹھا کے اوپر جگر جگر کرتا فانوس دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''بابا....کاش آپ یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ ہوتے۔'' تلخی سے وہ بڑبڑایا تھا.....

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

فانوس کی روشنی سارے لاؤنج کو روشن کیے ہوئے تھی۔ اونچی دیواروں پہ خوبصورت بڑی بڑی سی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ قیمتی لمبے صوفے، مخملیں نفیس پردے.... اس سارے عشرت کدے میں وہ تنہا صوفے پہ نیم دراز تھا....

کبھی اس طرح اس کے بابا یہاں بیٹھے ہوتے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے سارا منظر سامنے آ گیا....

وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ قدرے بے چین اور غیر آرام دہ سا۔ اور ایک چینی نقوش اور صاف رنگت والے صاحب، بڑے صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پہ برہمی تھی۔

''کب تک تم فاتح کے غلام بنے رہو گے؟''

''میں ان کا غلام نہیں ہوں، بابا!'' وہ برا مان کے بولا۔ ''میں ان کا کیمپین مینیجر اور پولیٹیکل سیکرٹری ہوں۔ میں ان کو الیکشن جتوانا چاہتا ہوں تا کہ.....''

''اور کب تک تم یہ سب کر سکو گے، ایش؟'' وہ ناگواری سے کہہ رہے تھے۔ ''تمہارا اپنا بزنس ہے، اس کو تمہارا وقت چاہیے۔ تمہاری ایک زندگی ہے۔ کل کو شادی کرو گے۔ کیا تب بھی فاتح کے پیچھے پیچھے ڈائری لئے پھرتے رہو گے؟''

''آبنگ ایک کاز (مقصد) لے کر نکلا ہے اور میں ملائیشیاء کے لئے....''

''تمہارا آبنگ بادشاہ آدمی ہے۔ بے نیاز اور بے فکر۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تم اس کے لئے اپنے کئی سال لگا بھی دو، وہ تب بھی اقتدار میں آ کر تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا۔ ایش، میرے بیٹے، تمہیں اس شخص سے کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔'' ان کی آواز دھیمی ہوئی۔ آنکھوں میں اس کے لئے ہمدردی اور فکرمندی تھی۔ اشعر کا دل دکھنے لگا۔

''میں صرف ملائیشیاء کے لوگوں کے لئے یہ کر رہا ہوں ڈیڈ۔ مجھے اپنے ملک سے بہت محبت ہے.....''

''تم ملائیشیاء کو ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہو جو اتنے برس باہر رہا۔ اسے ہم سے زیادہ ملائیشیاء سے محبت نہیں ہے، ایش۔''

''میں آبنگ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بارِیسن نیشنل میری زندگی ہے۔'' وہ تڑپ اٹھا۔ ''میں ہمیشہ باریسن نیشنل سے منسلک رہنا چاہتا ہوں۔''

''ایک کیمپین مینیجر کی طرح؟ ایک پولیٹیکل سیکرٹری کی طرح؟ یا کسی بڑے درندے کی طرح؟''

اشعر چونکا۔ ''بڑا درندہ؟''

''اگر تمہیں اس گندے سمندر میں رہنا ہے تو رہو۔ شوق سے رہو۔ لیکن مچھلی بن کے رہنا ہے یا مگرمچھ بن کے، اس کا فیصلہ تمہیں ابھی کرنا ہوگا۔ تم فاتح سے کم نہیں ہو۔ تم نے اس کی پچھلی کیمپین بھی چلائی اور اب وہ دوسری دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے جا رہا ہے۔ پانچ سال بعد وہ وزیرِ اعظم بننے کا سوچے گا اور تم کہاں ہو گے؟ اس کے پیچھے ڈائری اٹھا کے گھوم رہے ہو گے کیا؟''

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''تم بھی اس دفعہ الیکشن لڑو۔ممبر پارلیمنٹ منتخب ہو۔پھر تم پہ نئے مواقع اور نئے راستے کھلیں گے۔تم فاتح کی مدد کرتے رہو' مگر اپنے لئے بھی راستے ہموار کرو۔فاتح تمہیں کچھ نہیں دے گا۔اس کو کل کو کوئی بہتر سیکرٹری مل گیا تو وہ ایک منٹ میں تمہیں نکال باہر کرے گا لیکن اگر تم ممبر پارلیمنٹ بن جاؤ تو تمہیں کوئی آسانی سے نکال نہیں سکتا۔''

''میں؟'' وہ حیران رہ گیا۔''مجھے کون ووٹ دے گا؟''

باپا نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھک کے بیٹھے۔''وان فاتح کو کس نے پچھلا الیکشن جتوایا تھا؟ تمہاری محنت نے اور عصرہ کی سپورٹ نے۔اگر تم اس کے لئے یہ کر سکتے ہو تو اپنے لئے کیا نہیں کر سکتے' ایش؟''

فانوس ابھی تک جگر جگر کر رہا تھا۔اس کی روشنی میں کھویا اشعر شاید مزید ماضی میں رہتا مگر اس کا موبائل بجنے لگا۔چونک کے وہ سیدھا ہوا اور موبائل اٹھالیا۔

''جی کاکا۔''

''میں فاتح کے لاکر سے فائل نکالنے جارہی ہوں۔وہ اسٹڈی میں ہے' اسے علم نہیں ہوگا'' وہ دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔''تم اسٹریٹ کے کارنر پہ آجاؤ' میں فائل تمہیں دے دوں گی۔''

''میں خود نہیں آؤں گا' ملی کو بھیجوں گا۔ٹھیک ہے؟''

''ہاں یہ بہتر رہے گا۔'' اشعر نے مسکرا کے فون بند کیا اور ٹی وی ریموٹ اٹھا کے بٹن دبایا۔دیوار پہ لگی جناتی اسکرین جل اٹھی۔اشعر نے چند چینل بدلے اور پھر ایک پہ ٹھہرا۔

''اشعر محمود کی نسل پرست چینی مخالف تنظیم سے وابستگی نے چینی حلقوں میں مایوسی اور بدظنی کی لہر پیدا کی ہے...'' اینکر آگے کو جھکے' آواز کو سنگین بنا کے بتا رہی تھی۔اشعر کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے فون اٹھایا اور ٹوئیٹر کھولا۔اس کے نام کے مخالف ٹرینڈ چل رہے تھے۔ لوگ اسے گالیاں نکال رہے تھے۔

''وان فاتح....میں ہر چیز کے لئے تیار تھا...آپ نہیں تھے....چند دن بعد کاکا کی نیلامی پہ نقلی پینٹنگ کا اسکینڈل جہاں آپ کی کریڈیبلٹی تباہ کرے گا' وہیں مکان کے اصلی کاغذات کی گمشدگی آپ کو مالی دھچکا لگائے گی۔'' موبائل کے بٹن دباتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔''مگر اس سے پہلے....اپنے خلاف ہوئے سارے پراپیگنڈے کو میں اس ایک تصویر سے قتل کرنے جارہا ہوں۔اس ایک تصویر کی دھوم اور ہائپ میں ہر شے دب جائے گی۔کسی خبر کو قتل کرنے کے لئے اس کی وضاحتیں دینا ضروری نہیں ہے' صرف اس سے زیادہ دلچسپ خبر لوگوں کو دینا ہوتا ہے۔''

ایک بٹن دبایا اور....تصویر ٹوئیٹ ہوگئی۔مسکرا کے اشعر نے فون پرے ڈال دیا۔اس نے فاتح کا دیا دھچکا ہینڈل کر لیا تھا۔کیا فاتح اس کا دیا دھچکا ہینڈل کر پائے گا؟

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

☆☆=========☆☆
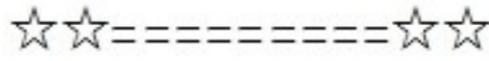
وان فاتح کی رہائشگاہ پہ رات دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔عصرہ نے ٹرے اٹھائے اسٹڈی کا دروازہ کھولا تو وہ ٹیک لگائے' عینک آنکھوں پہ جمائے مسکرا کے موبائل پہ ٹائپ کرتا دکھائی دیا تھا۔

''تمہاری بیڈ ٹائم چائے۔'' زبردستی مسکراتی وہ قریب آئی اور میز پہ کپ رکھا۔کانچ میز کی سطح کے شیشے سے ٹکرایا تو خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ارتعاش اس کی انگلیوں میں بھی تھا جسے اس نے مٹھیاں باہم پھنسا کے چھپالیا۔وہ احتیاط سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''جلدی سو جانا۔زیادہ دیر کام نہ کرنا۔'' اسے متوجہ نہ پا کر وہ بولی۔وہ مسکرا کے میسیجز دیکھتا رہا۔وہ چند لمحے کھڑی رہی' پھر مڑی۔

''تھینک یو عصرہ۔امریکہ جانے کا خیال بدلنے کے لئے۔''

عصرہ کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ ابھری۔گردن موڑ کے اسے دیکھا۔وہ اب بھی موبائل پہ ٹائپ کر رہا تھا۔

''جو تم چاہو' فاتح۔میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔''

فاتح نے نظریں فون پہ جھکائے مسکرا کے سر خم دیا۔

عصرہ وہاں سے نکل آئی۔اب اس کے قدم تیز تھے۔لاؤنج میں آ کر ایک نظر سی سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا جو وہ بند کر چکی تھی۔پھر تیزی سے فاتح کے کمرے میں آئی اور الماری کھولی۔لاکر کا پاسورڈ دبایا اور اندر کاغذات الٹ پلٹ کرنے لگی۔ایک پورا فولڈر نکالا اور لاکر بند کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ سر پہ شال اوڑھے' پیروں میں جوگرز پہنے' گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔رات کو دو گارڈز ہی گیٹ پہ ہوتے تھے۔

''میں واک پہ جا رہی ہوں۔'' وہ اکثر رات کو واک پہ نکل جاتی تھی۔گارڈز نے صرف سر ہلا دیا۔وہ فائل شال میں چھپائے' سینے پہ بازو لپیٹے تیز تیز چلتی گئی۔

اگلی اسٹریٹ کے کونے پہ رملی کار میں موجود تھا۔وہ فوراً باہر نکلا۔عصرہ نے شال سے فائل نکال کے اس کو دی اور کچھ کہے بنا مڑ گئی۔چند منٹ بعد وہ گھر میں واپس داخل ہو رہی تھی۔

''آپ جلدی آ گئیں۔'' گارڈ نے دروازہ بند کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں شوگر لو ہو رہا تھا۔'' اس نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے فکرمندی سے کہا۔''مگر فاتح کو میری طبیعت کا مت بتانا۔اس کے دوسرے مسئلے کم ہیں کیا۔میں دوا لے لیتی ہوں۔'' گارڈز نے سر تسلیم خم کیا اور وہ آگے بڑھ گئی۔

فاتح بے خبر ابھی تک اوپر اسٹڈی میں موبائل ہاتھ میں لئے سوگواریت بھری مسکراہٹ سے پیغامات کا جواب دے رہا تھا۔

☆☆=========☆☆
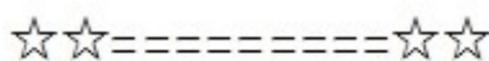
حالم کے اونچے گھر کی بیرونی بتیاں روشن تھیں جب باہر سڑک پہ سپر لکس کیب آ رکی۔شوفر نے دروازہ کھولا تو تالیہ مراد نے اونچی سفید

ہیل سڑک پہ رکھی اور نیچے اتری۔ کندھوں پہ قیمتی شال لئے' وہ کلچ والے ہاتھ سے لمبی میکسی احتیاط سے اٹھائے ہوئے تھی۔ کانوں سے لٹکتے ہیرے رات کے اندھیرے میں دمک رہے تھے۔

''کیوں آئے ہو؟'' درشتی سے بولی تو سامنے درخت کی اوٹ سے ہیولہ سا نکلا۔ چند قدم آگے آیا تو اس کا چہرہ روشنی میں آیا۔ وہ استہزائیہ مسکراتا' شیو کھجاتا سمیع تھا۔ کالا کوٹ' اندر سفید ٹی شرٹ' اور گردن میں لٹکتی سنہری چین۔ بڑھی شیو میں اُگے چند سفید بال اور سیاہ موٹی آنکھوں سے جھلکتی خباثت۔

''اپنے وظیفے کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں۔''

تالیہ کی آنکھوں میں سرخی در آئی۔ ''میں تمہیں نہیں جانتی۔''

''میرے پاس نکاح کی ویڈیو بھی موجود ہے۔ دیکھنا چاہو گی؟''

''مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہے ہو اور کیوں میرے پیچھے پڑے ہو۔'' وہ اکتائی ہوئی آواز میں بولی اور واپس گھوم گئی۔

''کل پھر آؤں گا۔ اور جو تمہارے خواب ہیں نا' اشعر کی فیملی بننے کے جیسا کہ اس نے ٹوئیٹ کیا ہے' وہ صرف تب پورے ہو سکتے ہیں جب میں اپنا منہ بند رکھوں۔''

اس نے گیٹ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ دروازہ بند کرنے مڑی تو سمیع نے آگے بڑھ کے دروازے کو پکڑ لیا۔ تالیہ نے غصیلی نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''جس طرح بھی کمائی ہے تم نے دولت' اس میں میرا بھی حق ہے۔ اس لئے جتنی جلدی ہو سکے' میرے وظیفے کی پہلی قسط تیار کر لو' جس میں پانچ صفر آتے ہوں' تاکہ میں تمہاری اوقات اس اعلیٰ خاندان کے سامنے صفر نہ کروں۔'' کہتے ہوئے کوٹ کو بیلٹ کے قریب سے ہٹایا تو ایک پستول جھلکا۔ تالیہ نے جھٹکے سے گیٹ اپنی طرف کھینچا تو اس نے ہاتھ ہٹا دیا۔ ''کل آؤں گا اور پیسے لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔'' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دھونس سے بولا تھا۔۔

''اور تم نے ایڈم کی نوکری نہیں چھڑوائی؟'' چند منٹ بعد وہ اندر لاؤنج میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی۔ خاموش' سنجیدہ۔ گھٹنے اکٹھے کر کے سوچ میں ڈوبی۔

''ایڈم دشمن نہیں ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ اور میں جتنی بری سہی' ایک اچھے انسان کے ساتھ یہ نہیں کر سکتی۔ میں امیر لوگوں اور میوزیمز سے چوری کرتی ہوں۔ غریبوں کے خواب نہیں چراتی۔''

''مگر ان طاقتور لوگوں کے سامنے اتنی زبان چلانے کی کیا ضرورت تھی؟'' داتن خفا ہوئی۔

''وہ ایڈم پہ ہنس رہے تھے' مجھے اچھا نہیں لگا۔''

''وہ ایڈم تمہاری جاسوسی کرتا پھر رہا ہے' تمہارا کسی بھی پل پول کھولنے والا ہے۔ تمہیں اس نیکی کی قیمت چکانی پڑے گی۔''

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''ڈونٹ وری۔تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔تم بتاؤ' یہ اشعر نے کیا ٹویٹ کیا ہے؟ابھی کسی نے مجھے بتایا۔''اس نے سمیع کا ذکر نہیں کیا تا کہ داتن پریشان نہ ہو۔

''تم نے نہیں دیکھا؟ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ میں کہتی تھی نا' یہ اشعر کسی اور چکر میں ہے۔'' کہہ کے داتن نے موبائل پہ بٹن دبائے اور اسکرین سامنے کی۔

''فیملی یونین'' لکھ کے اس نے ایک تصویر پوسٹ کی تھی۔کھانا کھاتے وقت کی سیلفی جو اشعر نے لی تھی اور فریم میں چار لوگ نظر آ رہے تھے۔اشعر'عصرہ' فاتح اور تالیہ۔سرخ لباس میں مسکراتی ہوئی خوبصورت تالیہ جو نیچے کمنٹس کا مرکز تھی۔

''یا اللہ۔اس نے میرا چہرہ مشہور کر دیا۔''اس نے پیشانی چھوئی۔

''ہمارے بہت سے جاننے والے یہ دیکھیں گے تالیہ۔یہ سب غلط ہو رہا ہے۔''

''میں سب کو سنبھال لوں گی۔بے فکر رہو۔ویسے بھی یہ میری آخری واردات ہے۔''

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ اشعر محمود کی منگیتر ہے اور وہ تردید نہیں کر رہا۔'' داتن نے اسے تصویر کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔''تصویر وائرل ہو گئی ہے اور صبح سے جسے چینیوں نے بندوقوں کی زد میں رکھا ہوا تھا' اب سارا ملک اس کا میکہ بنا بیٹھا ہے۔''

تالیہ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔''وہ مجھے پسند نہیں کرتا' داتن۔وہ خبروں میں رہنے کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے۔میں بھی بدلہ لے آئی ہوں۔'' پرس کھول کے بٹن کیمرہ نکال کے دکھایا۔''یہ وائی فائی سے جڑا ہوا نہیں تھا' سو اس پہ جو بھی فوٹیج فاتح کے سیکرٹری نے بنائی ہے' وہ اب میرے پاس ہے۔'' داتن نے اسے گھورا۔

''تم اتنی بے فکر کیوں ہو اشعر کی طرف سے؟ کہیں تم اسے پسند تو نہیں.....''

''کموٹی مرغی....کان کھول کے سنو....اشعر محمود اگر سمیع کا باس ہے تو وہ ان منی لانڈرز کا سربراہ ہے جنہوں نے مجھے ائیر پورٹ پہ رلنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔میں اس کو کبھی پسند نہیں کر سکتی۔'' تیزی سے کہہ کے پرس سے ایک کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔''تمہارے پاس نیچے میرے لاکر روم میں تمام مشینیں موجود ہیں نا۔پرنٹنگ وغیرہ کی۔''

''ہاں۔'' داتن نے الجھ کے اس کے کارڈ کو دیکھا جو پولیس آئی ڈی تھی اور اس پہ ساشا کمال لکھا تھا۔

''ساشا کو تاشہ کرو۔ابھی۔اسی وقت۔''

''تاشہ؟ وہ جو فاتح تمہیں کہتا ہے۔''

''ہاں۔یاد ہے وہ پلے تاشہ آ گاپو وا جس میں میں نے حصہ لیا تھا؟اور ڈائریکٹر کے لاکر سے بانڈز چرا کے نقلی رکھ دیے تھے؟ وہ آریانہ کے ساتھ اس پلے کو دیکھنے تھیٹر گیا تھا' اس لئے اس نے مجھے پہچان لیا۔''

''اُف تالیہ۔اس کو شک تو نہیں ہوا کہ تم فراڈ ہو؟''

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

''بہت سی امیر لڑکیاں تھیٹر میں شوقیہ اداکاری کرتی ہیں۔ پوچھے گا تو کہہ دوں گی' شوقیہ کام کیا تھا۔''

''مگر.....''

''اگر مگر کچھ نہیں کیونکہ میں اس چیز کا فائدہ اٹھانے جا رہی ہوں۔ تالیہ کے پاس...ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''مسکرا کے وہ اٹھی' شال کندھوں کے گرد لپیٹی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

قریباً پون گھنٹے بعد وہ اپنے باغیچے کے بینچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ کارڈ اس کی گود میں رکھا تھا۔ ہرنی جیسی آنکھیں باہر سڑک پہ جمی تھیں جو گیٹ کے جنگلے سے صاف دکھائی دیتی تھی۔

ایڈم اس کی کار سیدھی اندر لے آیا کیونکہ گیٹ کھلا تھا۔ پھر اتر کے اس کے سامنے آیا۔ ادب سے چابی بڑھائی۔

''بے تالیہ۔ آپ کی کار۔''

''بیٹھو ایڈم!'' شہزادی کے سے انداز میں اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سا بنچ کے پرلے کنارے پہ بیٹھ گیا۔ آگے کو ہوئے۔

''تم مجھے کوئی قاتل' چور یا جاسوس سمجھتے ہو' ہے نا۔'' وہ کہنی بنچ کی پشت پہ جمائے' اس کی طرف گھوم کے بیٹھی اور مسکرا کے گویا ہوئی۔

''میں نے آپ کو ایک گھر میں نوکرانی بن کے کام کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اور کیا سمجھنا چاہیے۔''

''تمہارا قصور نہیں ہے۔ بہرحال میں ایک انڈر کور پولیس آفیسر ہوں اور مجھے وان فاتح کی حفاظت کا ٹاسک دیا گیا ہے۔'' اعتماد سے گردن کڑائے وہ بولی تو ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔

''واقعی؟'' وہ ٹھٹھکا۔ ''مگر میں کیسے مان لوں۔''

''تم وان فاتح سے پوچھ سکتے ہو۔ ہوسکتا ہے وہ تمہیں سچ بتا دیں' ہوسکتا ہے وہ تم پہ اتنا اعتماد نہ کریں۔ لیکن کیا تم نے نوٹ نہیں کیا کہ وہ مجھے تاشہ کہتے ہیں۔''

''جی۔ میں نے نوٹ کیا ہے۔'' وہ چونکا۔

''تاشہ کمال۔ رائل ملیشیاء پولیس!'' اس نے شانِ بے نیازی سے کارڈ دو انگلیوں میں پکڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔ ایڈم نے اسے تھاما۔ الٹ پلٹ کے دیکھا۔ پھر ذرا پیچھے ہو کے بیٹھا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''یعنی باس جانتے ہیں کہ آپ....''

''آف کورس وہ جانتے ہیں۔ میری جاب ہی ان کے قریب موجود لوگوں پہ نظر رکھنا ہے کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ وان فاتح کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔''

ایڈم نے گہری سانس لی۔ ''میں جانتا ہوں۔''

''تو یقیناً تم جانتے ہو گے کہ پچھلے ماہ لنکاوی جزیرے پہ کیا ہوا تھا؟ اور تین ماہ قبل سنگاپور میں کس طرح وان فاتح کو دھمکانے کی کوشش

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

کی گئی تھی؟''

ایڈم چونکا۔ ''نہیں.... کیا ہوا تھا؟'' تالیہ نے ''اوہ'' میں لب سکیڑے۔

''اگر وان فاتح نے تمہیں نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تم پہ بھروسہ نہیں کرتے' یعنی تم ان کے لئے ایک عارضی ملازم ہو۔ جس کو وہ فارغ ہو جانے کے بعد مس بھی نہیں کریں گے۔''

ایڈم کے چہرے پہ اداسی اتری۔ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔ ''پھر آپ مجھ پہ بھروسہ کیوں کر رہی ہیں؟''

''دو وجوہات ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم گھر والوں کے سامنے میرا کور blow کرو۔ میری تو یہ نوکری ہے' میں کسی دوسرے ٹاسک پہ لگا دی جاؤں گی' لیکن وان فاتح کے دشمن چوکنے ہو جائیں گے۔''

''اور دوسری وجہ؟''

''میں چاہتی ہوں تم میری مدد کرو۔ اشعر محمود' فاتح صاحب کے خلاف جو اقدامات کرنے جا رہا ہے' ان کو روکنے میں میرا ساتھ دو۔ اور میں ڈیپارٹمنٹ سے تمہیں اس کام کا پے چیک دلوا دوں گی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وان فاتح کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔''

''دیکھو ایڈم....'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''پولیس میں جب ہم سے اوپر والے ہمیں تنخواہ یا بونس دیتے ہیں تو اپنی جیب سے نہیں دیتے۔ قومی خزانے سے دیتے ہیں اور اس پہ ہمارا حق ہوتا ہے.... تم کیوں آرام سے ملنے والے تیس چالیس ہزار ٹھکراؤ گے؟''

''تیس چالیس ہزار؟'' ایڈم محمد کی آنکھیں کھل گئیں۔ (سات آٹھ لاکھ پاکستانی روپے)

''جتنا بڑا آدمی' اتنے زیادہ بونس۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہم اشعر محمود کو پکڑ بھی لیں۔ اور ہاں' مجھے اس کے لئے تمہاری فائل اوپر بھیجنی پڑے گی۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپروو بھی ہو جائے مگر میں تمہاری سفارش کروں گی۔''

''مگر آپ کیوں کریں گی میری سفارش؟''

تالیہ مسکرائی۔ ''کیونکہ ایک دن تم دنیا کے سارے بادشاہوں اور حکمرانوں سے زیادہ طاقتور بن جاؤ گے۔ میں نہیں چاہتی تب تم مجھے بھول جاؤ۔''

ایڈم جھینپ گیا۔ ''وہ تو بس ماں کو لگتا ہے کہ....'' خفت سے سر جھٹکا۔

''خیر.... اب ہو سکتا ہے کہ تمہیں میری باتوں پہ یقین نہ آئے۔ تم مجھ پہ شک کرو' کہ شاید میں واقعی کوئی چور یا قاتل وغیرہ ہوں' تو ٹھیک ہے یہ تمہارا حق ہے۔ اب آگے تم چاہو تو وان فاتح سے پوچھ لو میرے بارے میں۔ مجھے نہیں معلوم وہ تم پہ کتنا بھروسہ کرتے ہیں' لیکن اپنی تسلی کے لئے تم....''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آپ کی بات پہ بھروسہ ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر سنجیدگی سے بولا۔ ''اور میں وان فاتح کے لئے

سب کر سکتا ہوں۔لیکن ....''اس نے اعتراف کیا۔''مجھے واقعی پیسے بھی چاہیے ہیں۔آپ بتائیں' مجھے کیا کرنا ہو گا۔''

''اتنی جلدی نہیں بتا سکتی۔کیونکہ مجھے بھی تو دیکھنا ہے کہ میں تم پہ بھروسہ کر سکتی ہوں یا نہیں۔''ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑے۔

''اوکے۔یعنی آپ مجھ پہ نظر رکھیں گی۔ٹھیک ہے۔جب آپ مناسب سمجھیں مجھے بتا دیجئے گا۔میری جاب کا کل دسواں اور پرسوں گیارہواں دن ہے۔پرسوں میری جاب ختم ہو جائے گی۔''

تالیہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھا۔جتنا اس کے انداز میں رعب تھا' اتنا ایڈم مودب نظر آتا تھا۔

''وان فاتح سے میں بات کر لوں گی۔تمہارے گیارہ دن ابھی ختم نہیں ہوں گے' ایڈم۔''

''اوکے!''ایڈم نے سر کو خم دیا اور مسکرایا۔پھر اجازت چاہی۔دفعتاً رکا۔

''تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟''

''میں ....مجھے اپنی منگیتر کو....''تذبذب سے الفاظ ادا کیے۔''تحفہ دینا ہے۔کیا دینا چاہیے؟''اگر وہ اس کی ڈھال نہ بنی ہوتی تو وہ نہ کہہ پاتا مگر اس ایک واقعے نے ایڈم کا دل اس کی طرف سے صاف کر دیا تھا۔اور اب بھی وہ اتنے سادہ انداز میں سب بتائے دے رہی تھی کہ اسے اعتبار آ ہی گیا تھا۔

''تم کیا دینا چاہتے ہو؟''

''کوئی سونے کا زیور وغیرہ' جیسا کہ مسز عصرہ نے کہا تھا۔یا کوئی پرس' کپڑے۔''وہ کنفیوژڈ نظر آتا تھا۔

''تحفے کی قیمت نہیں ہوتی ایڈم۔وقعت ہوتی ہے۔تم اس سے پوچھو کہ اس کو اس کے بابا نے کیا تحفہ دیا تھا ان اولین سالگرہوں پہ جو اس کو یاد ہیں؟ تم بچپن کے اس تحفے کو کسی نئی شکل میں دے دو۔کوئی ناسٹیلجک سی قدیم شے جو اس کو خوشگوار ماضی کی یاد مستقبل میں بھی دلاتی ہے۔باپ کا تحفہ لڑکیوں کو بہت عزیز ہوتا ہے۔''

ایڈم بالکل ٹھہر گیا۔دل و دماغ جیسے منور ہو گیا تھا۔آہستہ سے سر ہلایا۔''تھینک یو' چے تالیہ۔''

اس کے جانے کے بعد وہ اندر آئی تو داتن لاؤنج میں بیٹھی تھی۔تند نظروں سے اسے گھورتی۔

''اس کہانی کا کیا مقصد تھا؟''

''وقت حاصل کرنا۔''وہ سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور کانوں سے ائیر رنگ اتارنے لگی۔''بہت سے اسپیشل فورس اہلکاروں کو اسی طرح سیاستدانوں کی حفاظت پہ مامور کیا جاتا ہے' کہانی ٹھوس تھی۔''

''اگر اس نے فاتح سے پوچھ لیا تو؟''

''ظاہر ہے وہ پوچھے گا' لیکن فوراً نہیں۔میں نے اس کے ذہن میں یہ تاثر ڈالا ہے کہ فاتح کے لئے وہ اجنبی ہے۔وہ کچھ عرصہ اس بات پہ غور کرے گا اور مجھے اتنا ہی وقت چاہیے۔ایک یا دو دن۔تب تک میں سکہ تلاش کر چکی ہوں گی۔اس کے بعد میں جانوں اور میرا خزانہ۔''

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)

اب وہ جھک کے جوتے اتار رہی تھی۔

''کوئی خزانہ نہیں ہے تالیہ۔'' داتن نے دکھ اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''خزانہ ہے داتن۔ اور وہ ہمارا ہے۔ صرف ہمارا۔'' وہ تیزی سے بولی جیسے خود کو بھی یقین دلایا ہو۔ داتن خاموش ہو گئی۔ باہر پچھلی رات کی طرح۔

☆☆=========☆☆

صبح صادق کی پہلی کرن کوالالمپور پہ پڑی تو جامنی اندھیرے میں ڈوبی اونچی عمارتیں مدھم مدھم سی روشن دکھائی دینے لگیں۔ عصرہ محمود اپنے نرم گرم بستر میں اے سی کی ٹھنڈک بھرے کمرے میں لحاف تانے سو رہی تھی جب زور سے دروازہ کھلا۔

''عصرہ!'' فاتح کی آواز.... اور اس کا تیزی سے بتی جلانا۔ عصرہ کی آنکھیں فوراً کھلیں۔ تیز روشنی میں پہلے تو اس نے آنکھیں چندھیا لیں، پھر پلکیں جھپکیں۔ بصارت واضح ہوئی۔ سامنے فاتح کھڑا تھا۔ ٹراؤزر پہ ٹی شرٹ پہنے' اس کے ابرو بھینچے ہوئے تھے اور چہرے پہ پریشانی تھی۔

''عصرہ تم نے میرا لاکر کھولا ہے کیا؟''

''نہیں۔ کیوں کیا ہوا؟'' وہ بال سمیٹتی' آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔

''ملاکہ والے گھر کی ساری فائلز کل صبح تک اس میں تھیں۔ اب نہیں ہیں۔''

''تم نے اچھی طرح دیکھا فاتح؟ کیا معلوم تم نے کہیں اور رکھ دی ہوں۔'' وہ بستر سے اتری اور سلیپرز پہنے۔

''نہیں مجھے یاد ہے۔ اور میرا پاسورڈ بھی کسی کو نہیں معلوم سوائے مجھے اور تمہیں۔''

''تمہارا پاسورڈ بھی تو آریانہ کی برتھ ڈے ہے۔ آسانی سے کوئی بھی گیس کر سکتا ہے۔ میں ملازموں سے پوچھتی ہوں۔'' اس نے بالوں کو پونی میں باندھا اور شال اٹھا کے کندھوں کے گرد لپیٹی۔ ''تم فکر نہ کرو مل جائے گی۔''

''کیسے فکر نہ کروں' اس فولڈر میں گھر کے اصل کاغذات ہی نہیں' اس کے تاریخی ہونے کی مصدقہ دستاویزات بھی ہیں۔ مہینے لگ جائیں گے مجھے یہ دوبارہ بنوانے میں۔'' وہ دبی آواز میں بظاہر آرام سے کہہ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے چھلکتی پریشانی اور گردن کے پیچھے ہاتھ رکھا .....وہ بے حد پریشان تھا۔

''تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں ہو گا۔ میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔ ویسے بھی ملازموں میں سے کوئی ایسے نہیں کرے گا۔ ایڈم تو ہمارے ساتھ کل پارٹی میں تھا اور دوسری میڈ بھی۔ شام کو گھر میں کوئی نہیں ہوتا۔ بلکہ تالیہ بھی کار لینے آئی تو کہہ رہی تھی کہ اسے چابی لاؤنج میں ڈھونڈنے کے لئے کافی تگ و دو کرنی پڑی کیونکہ میڈز نہیں تھیں۔'' وہ اس کے ساتھ باہر آتے ہوئے بتا رہی تھی اور فاتح رامزل ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''کون؟ وہ تالیہ؟ ادھر کیوں آئی تھی ہماری غیر موجودگی میں؟''

''اس کی کار یہاں کھڑی تھی نا فاتح۔ پھر مجھے اس کو اشعر کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔'' وہ اکتا کے کہتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ لا کر سامنے کھلا پڑا تھا اور کاغذات بیڈ پہ رکھے تھے۔ عصرہ سلیقے سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ ''اور تمہیں اتنی اچانک ملاکہ والے کاغذوں کی کیا ضرورت پڑ گئی؟''

مگر وہ بالکل ساکت چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ ذہن ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔

''وہ لڑکی.....صبح وہ میری اسٹڈی میں تھی...پھر وہ ہمارے پیچھے ہمارے گھر میں پھرتی رہی اور آج میری فائل غائب ہو گئی۔'' اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ فائلیں الٹ پلٹ کرتی عصرہ نے چونک کے سر اٹھایا۔

''اوہو فاتح۔ مل جائے گی فائل۔ پھر تالیہ ایسا کیوں کرے گی۔ وہ تو اشعر...''

''اس کو تم سے متعارف کس نے کروایا تھا وہاں؟ ہم کیسے جانتے ہیں اس لڑکی کو؟'' اس نے تیزی سے سوال کیا جو عصرہ کے لئے غیر متوقع تھا مگر وہ محمود بن عزیزی کی بیٹی تھی۔ اس کے ذہن نے فوراً سے جمع تفریق کی اور بہترین جواب سوچ لیا۔

''اشعر نے۔ وہ اس سے شاید پہلے سے واقف تھا۔ شاید وہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''اور یہ ان دونوں کا کام ہے۔'' وہ کسی نتیجے پہ پہنچ چکا تھا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' پھر جیسے سمجھ آیا تو ایک دم حیران نظر آئی۔ ''یا اللہ فاتح' اشعر ایسا کیوں کرے گا؟''

فاتح نے گہری سانس لی اور بہت سارا غصہ اندر دبایا۔

''میں تمہارے بھائی کے بارے میں کوئی تبصرہ اس وقت نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے بتاؤ وہ لڑکی کہاں رہتی ہے۔''

''یہ تو اشعر کو پتہ ہو گا' مگر وہ ابھی میرا پورٹریٹ مکمل کرنے آئے گی۔ آج دوسری اور آخری سٹنگ ہے نا۔ لیکن تم...''

''وہ آئے تو اس کو میرے پاس بھیجنا۔ تمہارے بھائی نے اسے بہت آسمان پہ چڑھا رکھا ہے اور مجھے لوگوں کو زمین پہ اتارنا اچھی طرح آتا ہے۔''

''فاتح...تم اس کو کیا کہو گے؟ اگر اشعر کو پتہ چلا تو...'' وہ ہراساں سی کہنے لگی تو اس نے قطعیت سے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

''وان فاتح کے گھر میں....چوری کرنے سے پہلے....اس لڑکی کو اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ فاتح کو دنیا میں سب سے زیادہ نفرت چوروں سے ہے۔ اس نے میرا کتنا نقصان کر دیا ہے' کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ جیسے ہی آئے اس کو میرے پاس بھیجو۔'' برہمی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ کے تاثرات بدلے۔ خوف' ہراسیت' پریشانی سب غائب ہوا اور اس نے اطمینان سے گہری سانس لی۔

فاتح نے جلد یا بدیر جان ہی لینا تھا کہ یہ اشعر کا کام ہے۔ مگر اشعر کی مدد کا الزام وہ کس کو دیتا ہے' یہ عصرہ کے نزدیک زیادہ اہم تھا۔ اپنے

بچوں اور اپنے شوہر کو اس جنون سے بچانے کے لئے وہ ہر جنگ اور ہر محبت میں ہر جائز نا جائز کام کر سکتی تھی۔

گہری سانس لے کر وہ مسکرائی اور کھڑکی کو دیکھا جہاں ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔

اور حالم کی رہائشگاہ میں.... بیڈ پہ بے خبر سوئی تالیہ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔ چند لمحے لگے اس کو حواسوں میں واپس آنے میں اور پھر وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی۔

اس نے ابھی ابھی خواب میں جو منظر دیکھا تھا....وہ اس کے اندر کے خون کو جوش دلانے اور رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کافی تھا۔

''خزانہ ہے...خزانہ واقعی ہے....'' اس کے ہونٹوں کے کنارے مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے اور چہرے پہ خوشگوار بے چینی در آئی...''اور جو جگہ میں نے ابھی دیکھی ہے...تو یہاں دفن ہے وہ خزانہ!'' بے یقینی اور خوشی سے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''میں جانتی ہوں خزانہ کہاں دفن ہے۔صرف....میں....جانتی ہوں!'' تیزی سے سلیپر پہنے اور باہر کو بھاگی۔

☆☆=========☆☆

حالم کی اگلی قسط انشاءاللہ پندرہ اگست کی رات 8 بجے نمرہ احمد آفیشل پر اپ لوڈ کر دی جائے گی۔

ہمارا پیج بار بار چیک کرنا نہ بھولیے گا۔

(حالم کی اگلی قسط پندرہ اگست کو اسی پیج پہ اپلوڈ کی جائے گی ان شاءاللہ ۔ پڑھنا نہ بھولیے گا۔)